

قرآن و سنت کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کے تقاضے

تالیف

حضرت مولانا محمد اشرف سیلمانی صاحب
نور اللہ مرقدہ
سابق چیئرمین عربک ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی

سُلَیْمَانُ اَکِیْدُمِی
اشرف منزل اسلامیہ کالج لہیاور

پہلا نمبر۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

حضرت پہلے نمبر پر کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن صحت نے اسکی اجازت نہیں دی۔ حضرت حاجی شہر حسن صاحب نے چپ یہ بیان جو حضرت والا کا باطل نمبر 6 میں بعد از نماز مغرب بتاریخ 16 اپریل 1969 کو ہوا تھا پڑھ کر سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو میرے ساتھ رکھ لیں میں کلمہ پر لکھنے میں اس سے استفادہ کروں گا لیکن مضمون لکھنے سے پہلے حضرت نے وار فحاشے وار جہا کو رحلت فرمائی۔ بعد میں معورہ ہوا کہ پہلے نمبر کیلئے اس بیان کو ہی من و عن شامل کیا جائے اسلئے اسکو حسب معورہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (نعمان علی حد)

کلمہ پر بیان

خطبہ ماثورہ اور سورہ جمعہ کے شروع کے چار آیات طاوت کرنے کے بعد فرمایا:

میرے عزیزو اور دوستو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جملہ خیریں دے کر مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام کمالات انعامات انوارات بھلائوں اور خوبیوں کو لے کر آئی جو کہ انسان اپنی استعداد کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ انسان کی ترقیات کا جو اوج کمال ہے یا ترقی کے جس زینہ پر روحانی و مادی طور پر پہنچ سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام طریقے لے کر آئے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان طریقوں کو فرد کے حیثیت سے یا جماعت و قوم کی حیثیت سے اپنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر دینی و دنیاوی ترقیات کے روازوں کو کھول دینگے۔ پوری کائنات ان کے سامنے جھک جائیگی اور یہ انسان فرشتوں سے اونچا ہوگا۔ پوری مخلوق کی عزت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مسلمان کے برابر نہیں ہوگی۔ مسلمان کمال و عزت والا ہوگا۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ لے گا اور آخرت میں وہ دیا جائیگا کہ نہ

آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گزرا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے ساتھ زمین و آسمان، دنیا و آخرت کے تمام خزانوں کی چابیاں مسلمانوں کے آگے ڈال دی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو طریقے عطا فرمائے ہیں اگر ہم ان کو اپنائیں اور ان کی قدر کریں اور ان طریقوں کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے اور ہم یہ یقین کریں کہ تمام کامیابیوں کا راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی برکات کے دروازوں کو کھول دیگا۔ جب مسلمان غیروں کے طریقوں سے نگاہ ہٹائے، مزہ کو موڑ لے اور کلیتہاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کر کے زندگی کا کمال و شرف و عزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں میں سمجھے تو اللہ تعالیٰ پوری مخلوق کو اس کے سامنے جھکا دے گا

قرآن شریف میں آتا ہے سَخَّرَ لَہُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر کئے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آسمانوں سے فائدے حاصل کر سکتے ہو، زمینوں سے حاصل کر سکتے ہو، اللہ کی ساری مخلوقات سے حاصل کر سکتے ہو اگر نگاہ ایک اللہ پر جم گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کو جان لیا۔ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کو مفتاح الجنۃ کہتے ہیں۔ مفتاح چابی کو کہتے ہیں یعنی جنت کی چابی مثلاً یہ کمرہ بند ہے اور کمرہ کے اندر دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں اور قیمتی اشیاء بند ہوں اور کمرے کو تالا لگا ہوا ہو اور سوائے اس تالے کے کھولنے کے اس کمرے میں جانے کی اور کوئی صورت نہ ہو اور وہ تالا بغیر چابی کے نہ کھلتا ہو تو ان تمام نعمتوں اور قیمتی اشیاء کا حصول بغیر چابی کے ناممکن ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک چابی لا الہ الا اللہ کی دی ہے جب

آپ اس کو جنت کے قفل میں لگا دینگے تو قفل کھل جائیگا اور دروازہ کھل جائیگا اور تمام نعمتیں مل جائیں گی۔ جس طرح کمرے کی نعمتوں کا حصول چابی کے ذریعے سے ہے اسی طرح ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر لا الہ الا اللہ حقیقت کے ساتھ آئے اور ہم اس پر یقین اور عمل کرنے والے بن جائیں تو

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ دنیا ہماری جھولی میں ڈال دینگے آخرت جھولی میں ڈال دی جائیگی اور اس دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا کیا کمنہ، اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہو جائینگے۔ ان تمام نعمتوں کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نرے بول نہ ہوں بلکہ اس کی حقیقت موجود ہو۔ غیر نرے بول بھی بہت قیمتی ہیں لیکن اصل چیز حقیقت و معنی ہے کہ کہنے کے ساتھ یہ یقین ہو کہ ہم خدا کی الوہیت اور اللہ سے ہونے کا اور اللہ سے ملنے کا یقین و اقرار کرتے ہیں اور غیر سے انکار کر رہے ہیں، خدا کے سوا تمام غیر سے زندگی ٹوٹ رہی ہے اور غیر کو اپنے دلوں سے خارج کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دلوں میں بسا رہے ہیں۔ ہمارا ٹھکانا، ہمارا مقصود، ہمارا لہجہ، دماوی اور تمنائوں کا مرکز اور خیروں کے حصول کا ذریعہ بس صرف ایک اللہ ہے۔ میں اس کے سوا کسی کا طالب نہیں اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑے گی تو اس کے سامنے دامن اور ہاتھ پھیلاؤں گا اور غیر کے آگے ہرگز نہیں پھیلاؤں گا۔ اگر پھیلا دیا تو عہد ٹوٹ گیا۔ اے اللہ میں نے ہر ایک سے توڑا اور تجھ سے جوڑا۔ اے اللہ تجھ ہی سے بنتا ہے اور تجھ ہی سے بگڑتا ہے۔ عزت تجھ سے ملی گی۔ رزق کی کمی و زیادتی تیری ذات سے ہے۔ غیر کے پاس کچھ نہیں۔ جو تو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دینا چاہے کوئی دے

نہیں سکتا۔ سب کچھ تیرے پاس ہے مخلوق کے پاس کچھ نہیں۔ میں دیوانہ اور پاگل نہیں کہ جس کے پاس کچھ نہیں اس کے پاس جاؤں۔ میں ہر چیز کو تیری ذات میں دیکھتا ہوں بس ہر تنہا کو دل سے رخصت کرنے کا نام، ہر خواہش و چاہت اور غیر کو دل سے نکالنے کا نام اور خدا کے یقین، محبت و خشیت کو دل کے اندر بسانے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ لا الہ الا اللہ کی حقیقت جب کھل جائے اور خدا کے انوارات و تجلیات کو دیکھیں اور یقین ایسا آ جائے کہ سب کچھ خدا سے ہو رہا ہے جیسے ہنکھا خود بخود نہیں چل رہا ہے کوئی چلا رہا ہے پیچھے بجلی کی کرنٹ ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ اس بجلی کی کرنٹ کے ذریعہ سے ہنکھا چل رہا ہے اسی طور پر خدا کی قسم مخلوق سے کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ میرے خدا کی قدرت و طاقت سب کچھ کر رہی ہے۔ جیسے بجلی دکھائی نہیں دیتی مگر ہنکھا کے چلنے سے محسوس کی جاسکتی ہے اسی طرح خدا کے احساس کے پیدا کرنے کا نام اور یقین کے پیدا کرنے کا نام ایمان ہے۔ وہ خالق ہے، وہ باری ہے، وہ مصور ہے۔ جب مخلوق کو دیکھو تو مخلوق کی طرف رجحان اور دھیان نہ جائے بلکہ بنانے والے کی طرف نظر جائے کہ یہ میرے اللہ کی کاریگری ہے۔ صورت کو دیکھو تو مصور پر نگاہ جائے۔ میرے اللہ نے اس صورت و شکل کی صورت گری کی ہے۔ اس دنیا میں کتنے انسانوں کی شکلیں ہیں کیا یہ خود بنے یا والدین نے ان شکلوں کو بنایا؟ سب کے سب ایک اللہ نے بنائے اور اس کے ہاں شکلوں کے خزانے ہیں اور ایسی جگہ میں بنائے کہ نہ تم دیکھ سکتے ہو نہ میں دیکھ سکتا ہوں۔ بصورت کم فی الارحام کیف یشاء۔ ماں کے رحم میں شکل کو بنایا۔ جس طرح چاہا، جیسا چاہا بنایا اور عین اندھیروں (فی ظلمت ثلثہ) میں بنایا۔ کیا ہم 5000 واٹ کے بلب کی روشنی میں ایک آنکھ یا کان یا پاؤں بنا سکتے ہیں۔ اس نے عین اندھیروں کے اندر کان دل دماغ جگر آنکھ اور تمام اعضاء

جسمانی بنائے۔ دماغ میں کتنی باریک رگیں ہیں۔ اگر ایک آدھ آگے پیچھے ہو جائے تو بڑے بیٹھ جاتیگا۔ دل کی حرکت تھوڑی دیر کیلئے بند ہو جائے تو قصہ ختم ہو جائے۔ میں نے جرمنی میں ڈاکٹر کو کان دکھائے تو اس نے کہا کہ کان میں ہلکی پھلکی بڑیاں ہیں وہ جم گئی ہیں ہم نے کبھی محسوس بھی نہیں کیا کہ یہ بڑیاں ہل رہی ہیں اور آواز پہنچ رہی ہے۔ ہمارے بول کہاں سے آرہے ہیں۔ جو ہمارے ذہن میں ہے وہ تو اتر کے ساتھ زبان بول رہی ہے یہ کس کا کرشمہ ہے خلق الانسان وعلمہ البیان۔ گوٹا کبھی بول سکتا ہے زبان تو اس کی بھی ہوتی ہے یہ تو بلوانے والا بلواتا ہے۔ کان سنتا نہیں سنوٹنے والا سناتا ہے۔ جو سب کچھ کرنے والا ہے ہماری نگاہ اس کی طرف جائے۔ یہ ایک نقشہ اللہ نے بنایا ہے کہ شکلوں پر نگاہ ڈالے تو شکلوں کے بنانے والے کی طرف نگاہ اٹھے۔

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں

خوب تصویر بنائی میرے بہلانے کو

کیسے نقشے قائم کئے۔ پھولوں کو دیکھو، کلیوں کو دیکھو، چاند ستاروں کو دیکھو، پانی کے قطروں کو دیکھو، اپنے اندرون میں غور کرو صنع الذی اتقن کل شئی۔ یہ کاریگری ہے اس ذات کی جس نے ہر چیز کو کمال کے ساتھ بنایا۔ لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ کوئی خالق نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی بنانے والا نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی اولاد کا دینے والا نہیں سوائے خدا کے۔ سب کچھ خدا کرتا ہے۔ سوچا کرو کہ دل میں خدا کتنا ہے اور غیر کتنا ہے۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو یہ دل کا کل میرے خدا کو دے دو وہ اس کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ اس کو بنائے گا اور ان مقامات پر پہنچائے گا جہاں کا تم کو وہم و گمان بھی نہیں۔ دل میں راحت و چین کی ایک حیات پیدا کرے گا۔ جب دل کی طرف

نگاہ کر دے تو سمجھو گے کہ بہشت یہی ہے اور جب مخلوق کی طرف نگاہ کر دے تو کہو گے کہ کس مصیبت میں کھنچ گیا۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر و سمن در آ
توزہ عنچہ گل کم نہ دمیدہائی درد دل کشا بہ چمن در آ
سوچو کہ اگر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو مصیبت میں گرفتار ہوتا ہوں۔
سر کو جھکا کر بہار دل کے مزے لوٹو۔ باہر کی بہاروں کو دیکھتے ہو اپنے دل کی
بہار کو دیکھو۔ دل میں گل بوٹوں کو دیکھو۔ جب دل کی طرف متوجہ ہو تو خدا کی
گزرگاہ دکھائی دے۔ دل تو خدا کا مقام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے انوارات کا محل
ہے۔

ہر طہ شان حسن بدلتی رہی جگر

ہر آن اک جہاں دگر دیکھتے رہے

کل یوم ہو فی شان۔ ہر آن ایک تجلی بھی ہر آن ایک ادا۔ دل کو بناؤ گے
تو پتہ چلے گا۔ مثال کے طور پر میں ایک ڈبہ (ریڈیو کیونکہ اس زمانہ میں ٹی وی عام
نہیں ہوا تھا) لگا کر رکھ دوں۔ میں اس کے گونے (بن) پھراتا ہوں۔ پشاور کو بھی
نہیں پکڑتا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ میرا ڈبہ ٹھیک نہیں۔ مجھے کہا گیا کہ
اس میں مشینری اور واٹو نہیں ہے، یہ صرف ڈھانچہ ہے۔ گوٹوں کا تعلق تو اندر کے
ساتھ ہے جب واٹو ہو اور مشینری بھی درست ہو تو لندن کو بھی پکڑے گا اور سیلون
کو بھی پکڑے گا۔ ہمارے دل میرے ریڈیو کی طرح ہیں جس میں واٹو نہیں اس
سے کیسے ہم بی بی سی وغیرہ سن سکتے ہیں۔ ریڈیو کے اندر وہ تاریں اور واٹو لگاؤ
جن کو تھیر دو تو مختلف آوازیں سنائی دیں۔ یوں پھیر دو تو کہیں مرغی گیدڑ
دکھائی دے جیسے ٹی وی میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح رب کے کمالات کو دل

میں دیکھو۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
اس وقت دل قیمتی ہو جائیگا۔ دل کی قیمت خدا کے تعلق سے ہے۔ اگر دل خدا
والا ہے تو عرش اور کرسی سے زیادہ قیمتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے لا
یسعنی۔ میری معرفت نہ آسمانوں کو حاصل ہو سکی اور نہ زمین کو۔ وہ مومن کا
دل ہے جس میں میری معرفت سما سکی۔

دل بدست آرو دکھ آکر است
از ہزار کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آزر است
دل گزر گاہ جلیل اکبر است

دل تو تجلیات رب کا مقام ہے اس دل کی قدر کرو۔ آج تو ایسا زمانہ آیا ہے کہ
دل کی تبدیلی کے آپریشن میں سوز اور بندر کے دل لگائے جاتے ہیں یہ دل اتنا
قیمتی ہے کہ جس کی قیمت دنیا و مافیہا ادا نہیں کر سکتے۔ ہم نے دل کو ولی بنایا ہے
کہ جس میں ہندو بس رہے ہیں۔ اس دل کو ہر غیر کی محبت و عظمت اور تعلق سے
خالی کرو۔ اس کو کہتے ہیں لا الہ الا اللہ۔ تم کافی عرصہ تک اپنے کمرے میں جھاڑو نہ
دو اور تمام گندگی اور کوڑا کرکٹ کمرے میں پڑا رہے اور تمہارا اگر کوئی دوست
آجائے اور وہ تمہارے کمرے کی تمام پڑی ہوئی گندگی کو دیکھے تو کیا کہے گا؟ تو جیسے
تمہارا کمرہ دوستوں کی گزر گاہ ہے ایسے تمہارا دل پروردگار کی گزر گاہ ہے۔ تو جس پر
خدا نگاہ ڈالتا ہو، فرشتے دیکھنے آتے ہوں تو اس کو آپ گندہ رکھتے ہیں باقی ہر چیز تو
صاف ستھری رکھتے ہو اور ہر بلایاں ہے خدا اس میں نہیں۔ زبان۔۔ تو کہتے ہیں

کہ اللہ - مگر دل میں نہیں ہم سب نے ابھی ابھی نماز پڑھی - تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک کتنی دیر اللہ میں مشغول رہے اور کتنی دیر غیر میں؟ اللہ تعالیٰ کا دھیان کتنا رہا اور غیر کا کتنا؟ ہماری نماز میں سب کچھ ہوتا ہے صرف ایک خدا نہیں ہوتا - اللہ اکبر کے کہنے سی چابی دی موڑ چل پڑی چابی ختم ہوئی جب سلام پھیرا تو پتہ چلا کہ گاڑی رک گئی ہے - سبحانک الہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پاکی اور کبریائی دل میں آنی چاہیے مگر ہمارے اللہ اکبر کے کہنے کے ساتھ ہمیں تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں یاد آگئیں - تماشہ غیر میں مشغول ہو گئے - وجہ یہ ہے کہ خارج نماز میں جو سنتے ہیں اور جس چیز میں مشغول ہوتے ہیں وہ نماز میں یاد آتا ہے - چھابڑی والا تمام دن کہتا ہے کہ مولیٰ لے لو گاجر لے لو کدو لے لو جب رات کو سوتا ہے تو خواب میں بھی مولیٰ گاجر لے لو کہتا ہے - جو خواب کے باہر حالت و نوعیت ہے وہ خواب میں بھی ہے - خارج نماز میں ہم غیر میں کھینٹا مشغول ہوتے ہیں تو نماز میں بھی اسی ہی میں مشغول ہوتے ہیں - تمام دن جک جک بک بک میں گزرتا ہے تو نماز میں بھی وہی جھک جھک بک بک رہتی ہے - نماز میں ہم خارج کی چیز کو باہر نہیں چھوڑتے - جب امتحان کے دن قریب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلاں سوال ضروری ہے اس کو یاد کرنا چاہیے ہم کو ہر فلاں ابن فلاں یاد آتے ہیں لیکن ایک یاد نہیں آتا اور وہ ہے خدا کا دھیان - مرض کا سبب کیا ہے دل میں غیر ہے جب تک غیر کو نہیں نکالو گے دل نہیں بنے گا یعنی دل بنتا ہے خدا کے یقین کو دل میں جمانے سے اور غیر کے یقین کو نکالنے سے - اس یقین کو لینے کیلئے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے لا الہ الا اللہ کی چابی ہے اس کو کیسے ہم حاصل کریں کہ دنیا و آخرت قدموں میں آجائے؟ آسان سا طریقہ ہے جب تم نے کہا لا الہ الا اللہ کہ میرا مقصود خدا کی ذات کے سوا کوئی نہیں - کلمہ ایک وعدہ اور

پیمان ہے اس بات کا کہ اے اللہ میں اپنی زندگی کے جزو کل، انفرادی و اجتماعی اور ظاہر و باطنی، ہر خال میں تیرے حکم کو دیکھ کر چلوں گا۔ اللہ کے حکم کو دیکھ کر اور مان کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ اپنی چاہت یا غیر کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا لا الہ الا اللہ سے ہٹ جانا ہے۔ ایک خدا کی سن کر چلنے کا نام، ایک خدا کے حکموں کو دیکھ کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے آدمی تھے دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی۔ ان کا نام سن کر اس زمانے کے کو سچیں اور ماؤں سے تنگ (روس و چین کے لیڈر) کانتے تھے۔ صلاح الدین ایوبیؒ سے عین چار سو سال تک (روس و چین کے لیڈر) کانتے تھے۔ صلاح حضرت عمرؓ ہر لحاظ سے بڑے آدمی تھے۔ ذہن میں آیا کہ عورتوں کے مہر کی کچھ تعداد مقرر کریں۔ ایک بوڑھی عورت آئی اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کو کیا اختیار ہے عورتوں کے مہر کے مقرر کرنے کا؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ اگر مہر میں ڈھیروں سونا دیا جائے تو واپس نہیں لے سکتے اور کہا کہ اے عمرؓ میں تیری مانوں یا خدا کی مانوں؟ مومن تو یوں کہتا ہے کہ اے عمرؓ تیری مانوں یا خدا کی؟ حضرت عمرؓ اپنے کو مخاطب ہوتے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ تیرا کیا حال ہے؟ ایک بوڑھی عورت کا حال تجھ سے زیادہ بہتر ہے۔ ہم لوگ خدا کو دیکھ کر چلنے والے نہیں رہے۔ طلب و سکت اور شوق جاتا رہا، درد و فکر جاتا رہا جس نے مومن کو خدا والا بنایا تھا۔ وہ آگ۔ کچھ گئی جس سے دلوں کی انگلیٹھیاں روشن تھیں جو کہ ظلم کو جلانے والی تھیں۔ بقول اقبال:

کبھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

ہم تو راکھ ہو کر رہ گئے حالانکہ مومن تو ایک آگ ہے جس میں پورا کفر و ظلم اور

گناہ جل جاتا ہے۔ ہم پر اپنا نفس استغالب ہو گیا کہ نفس کے تقاضوں پر خدا کے حکموں کو قربان کر دیا۔ اللہ کا حکم بڑا ہے یا ہمارا نفس؟ جب ہم نے نفس کا حکم مانا تو نفس کو عملاً بڑا بنایا۔ ”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی چاہت نفس کو خدا بنایا ہے؟“ لا الہ الا اللہ نام ہے نفس کی نہ ماننے کا اور خدا کی ماننے کا۔ جب تم خدا کے ماننے کے طریقوں پر آ جاؤ گے تو خدا تمہارا ہو جائیگا۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہو لہا

خدا کیلئے میں خدا چاہتا ہوں

نفسانیت اور چاہتوں کو آگ لگا دو خدا کیلئے جینے میں بڑا لطف ہے اگر خدا کیلئے نہیں جیو گے تو پھر کتے بلی کیلئے جیو گے۔ ہم عرش سے اونچے ہیں لیکن اگر گریبنگے تو انتہائی گندگیوں میں ملوث ہو جائیں گے۔ لا الہ الا اللہ تو کہتے ہو، دل سے کہو۔ ایسے دل کی گہرائی سے کہو کہ کہنے کے بعد زندگی میں تغیر آجائے۔ صحابہؓ کا نام سنا ہے؟ اسلام سے پہلے کفر اور شرک میں مبتلا تھے بتوں کے آگے سر کو جھکاتے تھے۔ جب لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تو زندگیوں میں تغیر آ گیا۔ جو کام اسلام لانے سے پہلے کرتے تھے کیا وہ اسلام لانے کے بعد بھی کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے ذہن بدلے، دل بدلے، دماغ بدلے اور اعمال اور چاہتیں بدلیں، زندگی کے ظاہر و باطن بدلے، گویا کہ وہ (پہلے والے) لوگ تھے ہی نہیں۔ وہ گندے جسم والے جب خدا والے بنے تو ان کے اعمال پر اللہ تعالیٰ کو اتنا پیار آیا کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا استعمال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں اور پورا پاؤں زمین پر نہیں رکھتے تھے بلکہ جنھوں کے بل چل رہے تھے۔ کسی نے پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے جنازہ کے ساتھ چل رہے ہیں اور

انہوں نے اپنے پروں کو زمین پر پھیلایا ہے۔ زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔
جب خدا ملے اور یہ کہتے بلی نہ ملے تو کیا نقصان؟ کسی نے کہا ہے۔

دیوانہ کنی دہرو جانش بختی

دیوانہ تو ہر دو جاں چہ کنی

اپنا دیوانہ بناتے ہیں اور دونوں جاں بھی بھٹکتے ہیں۔ تیرا دیوانہ دونوں جانوں کو
لیکر کیا کرے گا۔

آپ کو کسی سے محبت ہو جائے اللہ کرے خیر کی ہو شر کی محبت نہ ہو۔ وہ کہے
کہ میں نہ مجھے دیکھ نہ مصافحہ کرنے بات کر اور کمرے کے اندر جو چیزیں ہیں یہ
لیکر چلتے بنو وہ کہے گا میں یہ چیزیں لیکر کیا کروں گا۔

ہم باز آئے محبت سے بڑھالو پاندان اپنا

مومن ایک خدا کو چاہتا ہے اس عالم کو اس لئے چاہتا ہے کہ اس میں سے گزر
کر خدا ملتا ہے اور اس میں اللہ میاں کی مرضی ہے مومن خیر کا طالب نہیں ہوتا
ہے وہ خدا کا طالب ہوتا ہے ہمیں ابھی تک لا الہ الا اللہ نہیں آیا جب زندگی کا
جزو کل ظاہر و باطن خدا کیلئے ہو جائے تو لا الہ الا اللہ آگیا۔ سوچو ہماری زندگی کے
کتنے لمحات خدا کیلئے ہوتے ہیں اور کتنے خدا کیلئے نہیں ہیں؟ استغنا کیلئے جتنا وقت
لگاتے ہو۔ گھنٹہ تو بنے گا۔ میں کہوں گا کہ جتنا وقت اس خلوت کیلئے فارغ کرتے ہو
کبھی خدا کیلئے بھی ایک گھنٹہ، جس میں خدا ہی خدا ہو فارغ کرو۔ استغنا کی حالت
میں قریب سے قریب دوست کو بھی گورا نہیں کرتے۔ تنہائی کامل چاہتے ہو تو اس
گندے کام کیلئے خلوت چاہتے ہو اور خدا کیلئے خلوت کو نہیں چاہتے یعنی کہ صرف
خدا کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت غیر خدا کا دھیان نہ ہو۔ جیسے اندھیرا اور
روشنی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جیسے نور و ظلمت اکٹھے نہیں ہو سکتے اس طرح اللہ

اور اللہ کا غیر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تھوڑا وقت فارغ کرو پھر مزہ دیکھو۔ لڈو پڑے کا مزہ تو ہوتا ہے یہ تو مخلوق کے مزے ہیں کبھی اللہ میاں کا مزہ بھی دیکھو۔ بس اللہ سے دل لگ جائے تو پوری دنیا نظروں سے گر جائیگی۔ ایمان نام ہے خدا سے ہونے کا۔ ہم دوسری چیزوں میں اسلئے مشغول ہو جاتے ہیں کہ اس میں فوائد اور کمالات دیکھتے ہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو پھر اللہ کے طرف آئینگے۔ انسان کا دل جب کبھی کسی پر فریفتہ ہوتا ہے تو اس کے جہاں و کمال و نوال کی وجہ سے ہوتا ہے تو سارے جہاں و کمال و نوال اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خدا کے جہاں و کمال اور اس کے احسانوں کو سوچا کرو تو غیروں سے گھن آنے لگی گی۔ اگر کمالات دیکھتے ہو تو ہمارے خدا کی طرح کمالات کسی میں نہیں۔ الا اللہ سے ہر غیر کو نکالو بس اللہ ہی اللہ ہو۔ سب کچھ ہو اور اللہ نہ ہو، سب کچھ مل جائے اور اللہ نہ ملے تو صدر ایوب کی طرح بیڑہ غرق۔ صدر ایوب کے پاس سب کچھ تھا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں رہا۔ پوری حکومت دوسرے کے قبضہ میں چلی گئی۔ بس کچھ بھی نہیں۔ ایک اللہ کی ذات بس باقی ہوس۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی ذات سے استفادہ کرنے کیلئے اور اپنے انعامات لینے لئے ایک کھلا دروازہ دیا ہے واتوا البیوت من ابوابہا امریکہ کی عمارات کی طرح نہیں کہ بلڈنگ تو بہت بڑی اور دروازہ چھوٹا سا۔ اللہ تک پہنچنے کا جو مین گیٹ ہے اور جو شاہراے اعظم ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اعلیٰ ہے آپ کے قدموں کو سر پر رکھیں گے تو خدا تک پہنچ جائینگے۔ جیسے لفٹ ہوتی ہے سوچ دیا یا تو آنا فانا اوپر پہنچ گئے۔ تو اسی طور پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اللہ کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آجائے تو لفٹ کی طرح عرش سے اونچے چلے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور دلارے ہو جاؤ گے۔ خدا کے پیار کے

بھوکے بن جاؤ اللہ تعالیٰ بھی پیار کرے گا ان اللہ یحب المتقین ، ان اللہ یحب المحسنین ، ان کتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ : اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرینگے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرو گے تو اللہ پیار کرے گا چومے گا ۔ اوروں کے محبتوں کے پیچھے پھرتے ہو اللہ کی محبت کے طالب بن جاؤ۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں۔ جس کو خدا ملے اسے پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟ ہم کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر نہیں چلتے کہ ہمارا ماحول نہیں۔ ہر وقت کھانے پکوانے کی فکر میں ہیں بقول مولانا رومؒ۔

اہل دنیا کافران مطلق اند

ہر زماں درجک جک و درجک بک اند

رات دن جک جک بک میں لگے ہوئے ہیں زراعت والے اس میں مشغول ہیں کہ فصل اور غلہ کیسے پیدا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب قصابی کے کام میں اور انجینئر صاحب اینٹ پتھر اور روڑوں میں مشغول ہیں۔ خاک و مٹی میں لگے ہوئے ہیں۔ تمام یونیورسٹی خاک و مٹی میں لگی ہوئی ہے۔ بقول اقبالؒ

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

تم تو شاہیں کے بچے تھے تمہاری پرواز تو عرش سے اوپر تھی۔

دردشت جنون من جبریل زبوں سیدے

یزدان بہ کمند آورد اے ہمت مرداں

کہ ایسے لوگ بھی ہیں کہ فرشتے انکے ہو گئے۔ خدا اور پیغمبر کو بھی اپنا بنایا ایسی زندگی گزارو کہ اپنے لئے بھی اور مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

و سلم کی شان کرہی در حسی اور کمالات سے حصہ لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو خدا والا بنایا۔ خدا والے بنو اور بناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل خدا کی رحمت کو کھینچنے والا ہے۔ آپ کے وجود سے نکلنے والے ہر عمل کا ذرہ نور ہدایت ہے، آفتاب ہدایت ہے۔ آپ اصلی اور حقیقی رحمۃ اللعالمین ہیں اور ہم نقلی رحمت اللعالمین ہیں۔ اگر نقل اصل کے مطابق ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ فممن تشبہ بقوم فهو منه۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ نے فرعون کے پاس بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے دو معجزے عطا فرمائے تھے۔ اس زمانہ میں مصر میں ظاہر کے لحاظ سے جادو کا بہت زور اور چرچا تھا۔ جو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے دوسرے کو بھی اسی طرح سمجھتا ہے۔ فرعون سمجھا کہ یہ بھی جادوگر ہے اور بادشاہی کو اپنانا چاہتا ہے۔ جادوگروں کو بلایا انہوں نے موسیٰ کی طرح کمر میں کپڑا باندھا ہم بھی ٹیڈیوں کی نقل کرتے ہیں کہ ان کو بڑا سمجھتے ہیں جب مقابلے کا دن آیا تو جادوگروں نے بھی جٹکے کمر پر باندھے کہ ہم بھی بڑے جادوگر نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو پیار آگیا کہ وہ میرے محبوب کی صورت بنا کر آئے ہیں ہم ان کو رد نہیں کرتے۔
 ترے محبوب کی یا رب شہادت لے کے آیا ہوں
 حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

صورت بناؤ سیرت اللہ ٹھیک کر دے گا۔ ظاہر بناؤ باطن وہ بنائے گا۔ خدا نے فیصلہ کیا کہ میں ان جادوگروں کو فرعون والے نہیں بناؤں گا۔ جادوگروں نے رسیاں پھینکیں۔ وہ ایسے نظر آرہی تھیں کہ سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا پھینکا۔ آسمان سے چارکتا میں آئیں۔ پانچواں آیا ڈنڈا مجھ سے کسی نے کہا شریعت کیسے نافذ ہوگی۔ میں نے کہا کہ جیسے مارشل لاء نافذ ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے احکام نافذ ہو جائیں تو تمام دین کے بارے میں نحرے ختم ہو

جانیگے۔ چونکہ جادوگروں کے موسیٰ علیہ السلام کے نقل اتارنے پر ہدایت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ کھنے لگے کہ اگر یہ جادوگر ہوتا تو ہم کو اس طرح شکست نہ دیتا۔ جادوگر جادو کی حقیقت کو جانتے تھے فوراً پکار اٹھے قالو آمنا رب العلمین۔ رب موسیٰ وبارون فرعون کھنے لگا کہ موسیٰ تمہارا رنگ لیڈر تھا تم سب کے سب کے دائیں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوںگا جادوگروں نے کہا کہ کرو جو کچھ کر سکتے ہو ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تو اگر حقیقت نہیں تو نبیؐ کی نقل ہی اختیار کرو خدا اس نقل کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حشر کر دیگا۔ جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا نصیب ہوگا۔ تبلیغ میں یہ موٹی سی بات کئی جاتی ہے کہ یقین کو بنالو اور اعمال کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اختیار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیا تھا؟ مزارع کا کام کھیتی باڑی، انجینئر کا کام بڑھتی لوہاری اور ہمارے ڈاکٹر کا کام ڈاکٹری ہے۔ ایک عمل ہوتا ہے اور ایک پیشہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشہ کیا تھا قل ہذہ سبیل اذعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن تبعنی۔ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت (کجھ) کے ساتھ کہ خیر نام اسی میں ہے اور میری اتباع کرنے والے بھی یہ کام کریں گے۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تو سفر میں سڑکیں بناؤ گے، آرٹلری میں توپ چلاؤ گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شامل ہو گئے تو ان کا کام کرو گے یعنی جو امام کی نیت وہ مقتدی کی نیت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ ہم ماورے تنگ کی بات مانیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ کارل مارکس اور لینن کی بات مانیں گے جن کو پیٹ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یقین اور عمل کے پانے کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو سیکھنے اور ایمان کیلئے کچھ وقت نکالو اس کام

کو سکیھو اگر تم چاہو کہ کالج میں داخلہ مل گیا ہے اور پڑھو گے کچھ نہیں اور اس خیال میں ہو کہ فرسٹ کلاس میں پاس ہونگے تو یہ اپنے کو دھوکہ دیتے ہو رات کی نیند کو اڑاؤ گے تو کچھ ملے گا۔ امتحان کے دنوں میں کام کی زیادتی اور فکر کی وجہ سے رنگ بھی پیلے ہو جاتے ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے ہمارے ایک دوست تھے جس کو امتحان کے دنوں میں Nervous break down ہو گیا تھا مجھ سے کہا کہ دعا کرو کہ امتحان ہال میں پیشاب خطانہ ہو جائے۔ دین کے کام کا بھی ایک کورس و نصاب ہے۔ زندگی میں ایک دفعہ چار مہینے اللہ کے راستہ میں لگا لو جتنا گھسو گے تو کچھ آئے گا۔ بوٹ پر پالش خوب لگاؤ لیکن رگڑو نہیں تو چمک نہیں آئے گی۔ اللہ کے راستے میں نکلو اور مجاہدہ کرو انشاء اللہ چمک جاؤ گے۔ ارادہ کر لو اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیا میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں یہاں سے زندہ اٹھو لگا؟ کیا پتہ ہے کہ ملک الموت آجائے اور کام تمام ہو جائے۔ کیا ایک پل کی اجازت دے گا؟ اللہ تعالیٰ تمہاری عمروں میں برکت دے۔ خیر ایک نہ ایک دن کو تو کہیں جائینگے۔ اگر ہم ارادہ کریں کہ اے اللہ یہ زندگی پوری کی پوری تیرے حکموں کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر گزاروں گا تو نیت کا ثواب تو مل جائیگا۔ ایک نیکی تو ابھی سے لکھ دی جائیگی۔ ہم نیت کریں کہ اے اللہ یہ زندگی تیری دی ہوئی ہے اور تیرے لئے اس کو لگاؤ لگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور پھر یہ ارادہ کرو کہ موقع ملے گا تو چار مہینے اللہ کی راہ میں لگا لو لگا۔ گرمی کی چھٹیوں میں 40 دن کیلئے اللہ کے راستے میں نکل جاؤ۔ گھروں میں تو کئی سال گزارے اب جو وقت ملے اسے اللہ کے راستے میں لگا دو۔ ابھی سے ارادے کرو

نماز

حقیر و بے نواضعیف و کمزور انسان کو مکالمہ الہی اور یاد خداوندی سے سرفراز کرنے، رحمت الہیہ کی سزاوار سرِ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کی راہیں کھولنے اور الہی کا پابند کرنے اور انعیاد و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اسلامی نماز کا فریضہ، جگہ جگہ مقرر کیا گیا کہ عبدیت و خصائل عبودیت نماز کی باقاعدہ اور صحیح بجآوری کا لازمی نتیجہ ہیں نماز میں بندہ اپنی مرضیات و خواہشات کو فنا کر دیتا ہے۔ اور ایک بے جان گل کی طرح اور الہی کا پابند ہو جاتا ہے۔ کبھی آقا کے سامنے ہاتھ باندھے اس کی پسند کے مطابق کلمات پڑھتے ہوئے اس کی کبریائی و صمدیت اور عظمت و جبروت کا دھیان اور کبھی بارگاہ جلال میں اپنی بلند پیشانی کو نیاز مندی کی خاک سے عزت بخشاتا ہے۔ جو پروردگار کا حکم ہوتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ جو اس کی مرضی ہوتی ہے۔ وہی کہتا ہے۔ گویا وہ ایک جد بے روح ہے۔ جس کی ہر حرکت کی فاعل وہی کبیر و متعال ذات ہے۔ جس کی الوہیت کا بندہ عاجز اقرار کر چکا ہے۔ گویا وہ اپنے جسم و روح کو اپنے مالک کے سپرد کر

دیتا ہے۔ کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے۔

چشم و گوش و دست و پائے او گرفت ہ من بدر رفقہ سرائے او گرفت
قولاً و فعلاً ظاہر و باطن او امر الہیہ کی بے حیل و حجت پابندی نماز کا خاصہ ہے اور
اسلامی زندگی کی حقیقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی
حیات طیبہ کی روح بھی یہی ہے۔ کہ اپنی خواہشات و مرضیات کو مٹا کر
خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اوامر الہیہ کی پابندی کی جائے۔ نماز کی اس
کے آداب و ارکان کی پابندی کے ساتھ ادائیگی عظمت الہی اور جذبہ بندگی
پیدا کرنے کا سہل ترین ذریعہ ہے۔ کیوں کہ نماز کی روزمرہ پانچ بار تکرار
ہمارے لیے نفسیاتی طور پر اوامر الہی کے سامنے مٹے اور اپنے کو خدائے
عز و جل کے سپرد کرنے کی باعث بنتی ہے جب ہم بار بار اللہ کے حکموں کی
پابندی کرتے ہوئے دن میں پانچ مرتبہ اس کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو
تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ احکام الہیہ کی پابندی کا جذبہ بھی بڑھتا جاتا ہے
جو ہمارے لئے عبدیت کی زندگی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اسلئے کہ جب ہم
بار بار اپنی خواہشات اور مرضیات کو مٹا کر اللہ سے (نماز کے ذریعے) رشتہ جوڑنے
کی کوشش کرتے ہیں۔ تو عبدیت کے راستہ کا وہ سنگ گراں جسے "ہویٰ"

کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے ان حکیم ضرورتوں سے چور ہو جاتا ہے۔ اور انسان مہمانے عبدیت یعنی رضائے مولا سے ہم کنار ہو جاتا ہے کا قول ہے کہ اللہ اور بندے میں ایک قدم کا بعد ہے۔ اگر ایک پاؤں اپنی خواہش (ہوی) پر رکھے تو بس دوسرے قدم میں مقصد حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں اشکارا فرمایا ہے۔

و اما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن اهلوی ہ فانالجنة می الماوی ہ (الزعات-۲)
اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا۔ اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ (ترجمہ حکیم الامة تھانوی)

ہوائے نفسانی کو توڑنے، فواحش و منکرات سے روکنے اور شان عبدیت پیدا کرنے کے۔ یہی غاصیات نماز کا لازمہ ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوة ان الصلوة تنسی عن الغشاء والمنکر (العنکبوت-۵)

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے

- بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ گویا تلاوت کتاب (قرآن) سے جس زندگی کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے اس کا اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک جوان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ برائیوں سے نہیں بچتا تھا۔ اس کی حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن اس کی نماز اس کو بچائے گی۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام احمد نے مسند میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک چور شخص کے نمازی ہونے کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نماز کی برکت سے اس کی چوری کی عادت مچھوٹ جائے گی۔ (احسن التفسیر ص ۱۱۶-۵ ج)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام زندگی اور حیات طیبہ دنیا میں لے کر آئے تھے۔ اسکے نشوونما کے لئے اس آب حیات (نماز) کا دائمی و ہمگیر تقاضا لازمی و لا بدی تھا۔ اس زندگی کی آبیاری کے لئے نماز کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ جتنی کسی کھیتی کو پانی کی ہو سکتی ہے۔۔۔ یہی آب زلال کا وہ سرچشمہ

ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی رگ رگ میں ایمانی طراوت پہنچ کر اس کی بالیدگی کا سبب بنتی ہے۔ ایمانی تروتازگی اور روحانی طراوت و ٹھنڈک کا خزانہ ڈھونڈنے والوں کو اسی نماز میں نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ حیات اسلامی کے اسوہ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

بنائی گئی ہے۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں۔

اس طراوت و جگر کا راز یہ ہے۔ کہ نماز میں محبوب ازلی کا جو قرب نصیب ہے۔ وہ اس دنیا میں کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ جیسا کہ (واجبہ و اقرب) (السجدہ) اور سجدہ کر اور قریب ہو۔ کی نص قرآنی شاہد ہے۔ اور پھر ان لمحات میں کشمکش محبت کو عرض و نیاز اور نگاہ لطف و کرم کا وہ موقع نصیب ہوتا ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی علیہ السلام ہے۔

(ان فی الصلوۃ لشغلا۔ صحیح مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوۃ) نماز میں ایک اور ہی شغل (مصرفیت) ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرأت کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تم میں

سے ہر ایک اللہ سے مناجات کر رہا ہے۔ تو وہ بچے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مناجات میں اپنی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔ (ابوداؤد۔ صلوٰۃ اللیل)

نماز ہی میں علائق دنیوی کے رشتے کٹتے ہیں گناہوں کی کٹافتیں دھلتی ہیں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور انسان کی روح ناصور چین و سکون سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ کہ قلبی اطمینان بغیر ذکر الہی کے ممکن نہیں۔

لابد کر اللہ تظمئن العتوبہ (رعد۔ ۴) (اللہ ہی کی یاد سے دلوں کی تسکین ہوتی ہے۔)

اور نماز کا مقصد یاد الہی بتایا گیا ہے۔ واقم الصلوٰۃ لذکری (اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔)

قلب انسانی نماز ہی کی بدولت تجلیات و انوار الہی کا مضبوط بنتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ "نماز دل کی روشنی ہے۔" (سیرت النبی ص ۵۲ ج ۵ بحوالہ کنز العمال جلد ۴ کتاب الصلوٰۃ) عشق الہی کی تابانیاں نمازی کو سراپا نور بنادیتی ہیں۔ ذوق و شوق کی کیفیتیں مجبور روح انسانی کو سرور و وجد کے اس پر کیف عالم میں پہچا دیتی ہیں۔ جہاں پر تو جمال کے سوا کوئی ہمنشین اور

بے حرف و صوت کلام سرمدی کے سوا کوئی ندا سامعہ نواز نہیں ہوتی۔ جہاں
حسن ازل کے سامنے ماسوا کے تمام نقوش مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اور قلب
انسانی ماسوا سے فراغت کے اس مقام پر جا پہنچتا ہو جہاں کہنے والے کو یہ
کہنے کا موقع ملتا ہے۔ کہ

ہر تمادل سے رخصت ہو گئی۔ اب تو آجاب تو خلوت ہو گئی۔ (مجدوب)
یہ نماز ہی تو ہے۔ جو کیف موتی کے اس عالم میں انسان کو پہنچا دیتی ہے
۔ کہ ایک رات دو صحابی پہرہ دینے کیلئے میدان جنگ میں متعین ہوتے ہیں۔
ایک سو جاتے ہیں۔ دوسرے نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دشمن ان کو
تاک کر تیر مارتے ہیں۔ جو بدن میں بیوست ہو جاتے ہیں۔ لیکن لطف
وسر مستی میں کمی نہیں ہوتی۔ نماز جاری رہتی ہے۔ کہ جو پیاری صورت
شروع کی تھی اس کا سرور ہنوز باقی تھا۔ (ابوداؤد کتب الطہارت باب
الوضوء من الدم)

عشق کا تہوج بے خودی کے ان مقامات پر جا ڈالتا ہے۔ کہ فاروق اعظم ایک
شتی کے خنجر سے امت کے فرائض انجام دیتے ہوئے خاک و خون میں
لوٹنے لگتے ہیں۔ لیکن مقتدی محبت کی پہنائیوں سے باہر آنے سے مجبور ہیں

- جب نماز ختم کر کے اس عالم بخودی سے باہر آتے ہیں تب غلیفہ وقت کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

چوں نمازی گذارم بخدا خبر ندارم ہ کہ تمام شد رکوع یا امام شد قلمانی
قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کا یہ واقعہ توصیف و
تعریف کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اذ عرض علیہ بالعی اصفیات لیلادہ فتال انی احبت حب الخیر عن ذکر ربی
حتی تلوات بالحباب - ردوہا علی فطیق مسحابا سوق والا عناق - (ص-۲) (چنانچہ
وہ قصہ انکا یاد کرنے کے قابل ہی جب شام کے وقت ان کے روبرو اسیل)
اور عمدہ) کھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی
محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب
پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔ (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ان کھوڑوں کو
ذرا پھر تو میرے سامنے لاو سو انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر
تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (ترجمہ حکیم الامتہ تھانوی) اگر اللہ کے
صاحب شوکت نبی سلیمان ابن داود علیہم السلام نے اللہ کے ذکر میں حائل کی
وجہ سے کھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں اڑا دیں تھیں تو مکتب رسالت صلی

اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ بھی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی روشنی نماز کے کیف و سرور میں اگر کسی چیز کو حارج دیکھتے تھے۔ تو اسے قربان کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک خوشنما چڑیا نے سامنے آ کر ٹھہرنا شروع کیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ دیر تک ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ پھر جب نماز کا وقت آیا تو رکعت یاد نہ رہی۔ دل میں کہا اس باغ نے یہ فتنہ برپا کیا۔ یہ کہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ راہ خدا میں نذر ہے۔

اسی طرح ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز میں مشغول تھے۔ باغ اس وقت نہایت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ پھلوں کی طرف نظر اٹھ گئی تو نماز یاد نہ رہی۔ جب اس کا خیال آیا تو دل میں نادم ہوئے کہ دنیا کے مال و دولت نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ باغ جس نے مجھے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ راہ خدا میں دیدیات ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال کی طرف سے بیچا۔ تو پچاس ہزار میں فروخت ہوا۔

(سیرت النبی ص ۲۰۰ ج ۵ بحوالہ موطا مالک کتاب الصلوٰۃ)

یہ نماز ہی کی کیف انگلیزیاں تھیں جو ایسے مافوق العادت واقعات کے ظہور کا باعث بنیں۔ ان کیف انگلیزیوں کی بدولت خالق کی سواہر چیز سے بندہ کا قلبی تعلق ٹوٹ گیا۔ اور ماسوا کی محبتیں جاتی رہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی راہیں انسان پر کشادہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں یہی ایک فریضہ ہے۔ جو ہر مرد و زن، امیر و فقیر، بوڑھے اور جوان پر فرض ہے جو سن بلوغ سے لیکر آغوشِ لحد تک کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ نہ میدان جنگ کے بہت ناک احوال و مناظر، ار، عزیز مریشہ کی ادائیگی میں مانع آسکتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور عذر علاوہ ضیاع ہوس و حواس کے اس کے ترک کا عذر بن سکتا ہے۔ اعذار کی صورت میں آسانیاں ضرور فراہم کر دی گئی ہیں۔ لیکن مسلمان رستے ہوئے کسی صورت میں بھی اس فریضہ کی بجا آوری سے فرار ممکن نہیں۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے۔

واقیموا الصلوٰۃ ولا تکنوا من المشرکین (روم - ۴) اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

گویا نماز کا ترک مشرکوں میں سے ہو جانے کا ہم معنی ہے۔ کفار سے جب

پوچھا جائے گا۔ کہ جنم میں تم کیوں ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔

لم نک من المسلمین (مدثر ۲۰) ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بین العبد و بین الکفر ترک الصلوۃ (مشکوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ مسلم)

بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (یعنی اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر (کی سرحد) سے جا ملے گا۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں وعید ہے۔ عبد اللہ ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

العبد الذی بینا و بینہم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر (مشکوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد ترمذی و نسائی و ابن ماجہ)

ہمارے اور ان کے درمیان صرف نماز کا عہد ہے۔ میں جس نے نماز کو ترک کیا وہ کافر ہوا (یعنی اگر ترک کو حلال جان کر نماز نہ پڑھی۔ انس ابن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

قال لیس بین العبد و الشکر الا ترک الصلوۃ فاذا ترکھا فقد اشرک (ابن ماجہ

باب فیمن ترک الصلوۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندے اور شرک کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے۔ جب نماز چھوڑ دی تو اس نے شرک کیا۔ عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ جو شخص نماز پر محافظت کرے گا۔ تو نماز اس کے لیے قیامت میں روشنی برہان (ایمان کی واضح دلیل) (کافی المرقاة) اور ذریعہ نجات ہوگی۔ اور جو نماز پر محافظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ روشنی ہوگی نہ دلیل (ایمانی) اور نہ نجات۔ اور قیامت کے روز وہ قارون فرعون اور ابی بن خلف کی معیت میں ہوگا۔ (مشکوۃ کتاب الصلوۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد و دارمی و ہیثمی)

امام بنوی نے شرح السنہ میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں عبد اللہ بن ثقیف کا یہ قول روایت کیا ہے جو مشکوۃ میں بحوالہ ترمذی منقول ہے۔ (کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ غیر الصلوۃ) (مشکوۃ ص ۵۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ اسی قبیل کے اقوال عمر فاروق

اور ابن مسعود رضوان اللہ علیہم سے ملا علی قاری نے روایت کئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جس نے عمد آ نماز چھوڑی اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ نماز کا ترک کفر ہے۔ (بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۷۰ بحوالہ مرقاۃ) ابن اقوال کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ جبہ امام سیوطی نے در مشثور میں بڑا کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ (لا ستم فی الاسلام لمن لا صلوۃ لہ) (رسالہ نماز از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ص ۱۱) اسلام میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جد دین کیلئے بمنزلہ سر کے قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمر و سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں یہ بھی) فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اسکے پاس دین نہیں، نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑے نسبت ہے۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے۔ اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں) (حیۃ المسلمین امام تھانوی ص ۶۶ بحوالہ طبرانی اوسط و صغیر)

ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس کے

پہلے دو اجزاء یہ ہیں (اوصافی غلیلی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تشرک باللہ شیئاً وان
 قتعت و حرقت ولا تترک الصلوۃ مکتوبۃ فمن جرکھا مقعداً فقد برئت عنہ الذمہ اللہ
 ورسولہ) کہ میرے دور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ اللہ
 کے ساتھ شرک نہ کر اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تجھے جلا
 دیا جائے اور فرض نماز عہد آنہ چھوڑ کہ جس نے اسے چھوڑ دیا جان بوجھ کر وہ
 اللہ و رسول کے ذمے سے نکل گیا۔ اسکی تقریباً ہم معنی حدیث امام منذری
 نے ترغیب میں طبرانی و محمد بن نصر کے حوالے سے عبادہ بن صامت
 صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 سات باتوں کی وصیت کی جن میں سب سے پہلی اور اہم دو باتیں یہ تھیں۔
 (لا تشرکوا باللہ وان قطعتم او حرقتم ولا تترکوا الصلوۃ متعمداً فمن ترکھا فقد خرج
 من الملة) (رسالہ نماز ص ۱۱ از مولانہ محمد منظور نعمانی) اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ
 کرو۔ اگرچہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے
 اور خبردار کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو کیونکہ جس نے عہد آنما چھوڑی وہ ملت
 سے نکل گیا۔

اسلام میں نماز کی جو اہمیت ہے۔ ان وعیدوں سے ظاہر ہے۔ جو اس کے ترک پر نفل کی گئی ہیں۔ بلکہ قرآن میں تو نماز میں سستی و کالی کو منافقین کی علامت بتایا ہے۔ (واذا قاموا للصلوة قاموا کالیٰ)۔ جب وہ نماز کو اٹھتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے اٹھتے ہیں۔) ایمان کی ظاہر نشانی اور توحید کے بعد پہلا حکم نماز ہی ہے۔ جس سے انسان کی باطنی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور اسلامی زندگی کی تمیز بھی اسی نماز سے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن و حدیث میں اس قدر نماز کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے۔ (سیرت النبی ص ۵، ج ۵) اور احادیث کی کتابیں "کتاب الصلوٰۃ و ابواب الصلوٰۃ" کے عنوانات سے نماز کے متعلق لاتعداد احادیث کے ذخیرے سے گرانبار ہیں۔ جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ نماز ہی اللہ کو سب اعمال سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے وہ کون سا عمل پسند ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الصلوٰۃ لوقتها۔ اپنے وقت پر نماز" (مشکوٰۃ، بحوالہ بخاری و مسلم ص ۵۸) ام فردہ انصاریہ رضی

اللہ عنہ کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اول وقت پر نماز سب سے بہترین و افضل عمل ہے۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابو داود۔ مشکوٰۃ باب تبعیل الصلوٰۃ)۔
 آپ علیہ السلام نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔ کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے ترک کیا اس نے اپنے دل کی دینداری کو برباد کیا۔ (سیرت النبی ص ۴۲، ج ۵ بحوالہ کنز العمال)
 طائف کے وفد نے جب مدینہ آ کر صلح کی بات چیت شروع کی تو نماز جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ ہونا چاہا۔ آپ نے پھلی دو باتوں سے مستثنیٰ کر دیا۔ لیکن نماز کے متعلق فرمایا۔ "ولا خیر فی دین لیس فیہ رکوع" جس دین میں اللہ کی طرف جھکنا ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابو داود جلد ثانی باب ما جاء فی خبر الطائف ص ۴۲، ج ۲) داری نے حضرت جابر ابن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "جنت کی کبھی نماز ہے" (حیۃ المسلمین ص ۶۵) نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام مسلم ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ (الصوۃ الخمس والجمعة الی الجمعة ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا احتیت الکبائر۔ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے

درمیانی زمانے میں (سرزد شدہ گناہوں) کا کفارہ ہے۔ جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ (حضرت ابوہریرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔) (قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم ارمیتہ لوان نحر آباب احد کم یقتل فیہ کل یوم خمساً حل یمتی من درنہ شیئی قالو لایمیتی من درنہ شیئی قال فذالک مثل الصلوات لاغص۔ محمود حسن الخطایا۔ (مشکوٰۃ ص ۷۵۔ بحوالہ بخاری و مسلم) آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو۔ اور اس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر کچھ میل بھی رہ جائے گی۔ لوگوں نے کہا بالکل میل نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے خطائیں معاف کرتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ "ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا۔ اور پھر ندامت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے (گناہ) کی اطلاع دی۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

کفارہ گناہ) صرف میرے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لیے ہے۔ (صحیح بخاری باب الصلوٰۃ کفارۃ ص ۵۷ ج ۱) عبادہ ابن صامت سے روایت ہے۔ (عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات اقرضھن اللہ تعالیٰ من احسن وضوء هن وصلاحن لو قھن واتم رکوعھن وخشوعھن کان لہ علی اللہ عھدان یغفر لہ ومن لم یفعل فلیس لہ علی اللہ عھدان شاء غفر لہ وان شاء عذبه) (رواہ احمد وابو داؤد ودری مالک انسائی نخوہ مشکوٰۃ ص ۵۸) ابو قتادہ بن ربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اور اپنے ذمے یہ بات لازم کر لی ہے کہ جو ان کی محافظت ان کے وقت پر کرے گا۔ اسے میں ضرور جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان کی محافظت نہیں کرے گا مجھ پر اسکی کوئی ذمے داری نہیں۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی فرض الصلوٰۃ الخمس ص ۱۰۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں (خزان میں) باہر نکلے۔ درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اے باذر! میں نے جواب دیا کہ (ابوذر) حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا۔ جب مسلمان بندہ خالص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں۔ جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ، فصل ثالث، بحوالہ احمد)

زید ابن خالد الجہنی سے روایت ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی 'سجدتیں لالیسو فھیما غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ' (مشکوٰۃ ص ۵۸، بحوالہ احمد) محدث طبیبی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ "اس حدیث میں غافل نہ ہونے سے مراد حضور قلب اور عبادت کا اس طرح کرنا گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ (مرقاۃ)۔ یہی وہ مقام ہے۔ جو معراج المومنین اور حیات اسلامی کی غایت قصویٰ ہے۔ کہ انسان کے لئے قرب و معیت الہی سے بڑھ کر کوئی شے عزیز و رفیع نہیں ہو سکتی اور انتہائے قرب اس عالم میں نماز ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی نے تحریر فرمایا ہے۔

"اور نیز جان لیں۔ کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں روایت کے رتبہ کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب رویت

کے وقت۔ اور جان لیں۔ کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیع ہیں۔ اور نماز اصلی مقصد۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۲۷ بنام حاجی خضر افغانی) قرب الہی کے سب سے بڑے مشاق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے بلبل کو کہا کرتے تھے۔ (قم یا بلبل ارحنی بالصلوٰۃ) اے بلبل اٹھو اور نماز کا انتظام کر کے مجھے راحت پہنچاؤ۔ کہ آتش جبر و فراق نماز ہی سے بجھ کر راحت کا سبب بن سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ ہی نے فرمایا "انسان آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔ (سیرت النبی جلد ہفتم ص ۲۷، بحوالہ کنز العمال جلد رابع) اغلباً یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جس نے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا۔ جس نے پھرتوں سے لہو لہان کرنے والے طائف کے باشندوں کو عذاب الہی میں تباہ ہونے نہ دیا۔ جس نے زخم کھا کر اور دانت شہید کروا کر "اللهم اهد قومی فانهم لایعلمون" کا اہرت چھڑکا۔ جس نے اپنے جلاوطن کرنے اور ہر قسم کی ایذائیں دینے والوں کو "لا تشریب علیکم الیوم" کے معافی نامے سے نوازا وہ مجسم رحمت ہی اس بات پر مجبور ہو گیا۔ کہ قرب الہی کی ان پر کیف ساعتوں میں محل ہونے والوں پر بددعا کرے۔ چنانچہ عبداللہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یصلی عند الکعبۃ وجمع قریش فی مجالسہم اذ قال منہم لا تنظرون الی ہذا المرئی الیکم یقوم جزور ال فلان فیعمد الی فرثا ودھا و سلاھا فجئی بہ ثم تمھد حتی اذا سجد وضع بین کتفیه فنبعث اشتاقہم فلما سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع بین کتفیه وھبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجداً فضحکوا حتی مال بعضهم علی بعض من الضحک فانطلق منطلق الی فاعلۃ وحی جویریۃ فاقبلت تسمی وھبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجداً حتی اقبلت عنہ واقبلت علیمہم تسیم فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ قال اللهم علیک بتقریش اللهم علیک بتقریش اللہ علیک بتقریش بعمر وبن حشام وعتبہ بن ربیعہ وشیبۃ بن حشام وعتبہ بن ربیعہ وشیبۃ بن ربیعہ والولید بن عتبہ وامیہ بن خلف وعتبہ بن ابی معیط وعمارۃ بن الولید قال عبد اللہ خواللہ لقد راہتھم صرعی یوم بدر ثم سجدوا الی القلیب قلیب بدر فم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واتبع اصحاب القلیب لعدۃ (صحیح بخاری) باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیاء من الذی ص ۴۷ ج ۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس (کعبہ میں) نماز پڑھ رہے تھے اور قریش اس وقت اپنی مجالس میں (کعبہ ہی

میں) جمع تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم اس ریا کار (نعوذ باللہ محمد
 الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو۔ تم میں سے کون فلاں خاندان کے
 اونٹوں کے پاس جا کر اونٹنی کی اوجھ (وہ پردہ جس میں صنین ہوتا ہی مع لید
 اور خون لائے گا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت دیگا۔ یہاں تک کہ
 آپ سجدے میں چلے جائیں تو آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دے۔ پس
 ان میں شقی ترین (عقبہ ابن معیط اس کام کے سرانجام دینے کے لئے) اٹھا
 اور آپ سجدے میں گئے۔ آپ کے کندھوں پر یہ نجاست رکھ دی اور نبی صلی
 اللہ علیہ وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے۔ کفار قریش نے اس منظر پر ہنسنا
 شروع کیا۔ یہاں تک کہ سنی کے مارے لوٹ لوٹ گئے۔ کسی شخص نے جا
 کر حضرت فاطمہ (ؑ) بھی کم عمر لڑکی تھیں) کو اطلاع کی۔ وہ دوڑتی ہوئی
 آئیں۔ سراقدر صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز سجدے میں تھا۔ یہاں تک کہ جناب
 فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے یہ نجاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں
 سے اٹھا کر پھینکی۔ اور کفار کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے اللہ قریش کو ہلاک کر اے اللہ قریش
 کو ہلاک کر اے اللہ قریش کو ہلاک کر پھر نام لے کر بددعا دی۔ اے اللہ

عمر و ابن ہشام (ابو جہل) عقبہ ابن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ و لید ابن عقبہ، امیہ ابن خلف، عقبہ ابن ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کو ہلاک کر عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم انھیں حضور علیہ السلام نے بد دعا دی تھی۔ میں نے بدر کے دن انھیں مقتول حالت میں پڑے دیکھا۔ پھر کیچ کر بدر کے کنوئیں میں انھیں ڈال دیا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کنوئیں کے رسنے والوں کی لعنت و پھٹکار تابع ہو گئی۔ یعنی یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سخت ترین بددعا اس دن نکلی جب کہ غزوہ احزاب میں جنگی مصروفیت کی وجہ سے آپ کی نماز عصر فوت ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ قال لما كان يوم الاحزاب قال رسول الله صلى عليه وسلم ملا الله قبورهم وبيوتهم ناراً كما حبسو نار شغلونا عن الصلوة الوسطى حتى غابت الشمس (صحیح مسلم باب اللیل لمن قال الصلوة الوسطی اھی صلوة العصر ص ۲۲۶ ج ۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ ان کفار کی قبروں اور کھروں کو آگ سے بھر دے۔ جس طرح انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ (عصر) کے پڑھنے سے مشغول اور باز رکھا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ (اور نماز قضا ہو گئی) غور کیجیے وہ رحمت مجسم اور میکہ حلم و کرم جو ایک ایک انسان کو آگ سے بچانے کے لئے رات دن فکر و غم میں کھلا جا رہا تھا۔ ایک نماز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس قدر آرزوہ خاطر ہو جاتا ہے۔ کہ جن کی ہدایت کے لئے دندان و جبین مبارک زخمی ہونے کی حالت میں بھی زبان سے دعائی کے کلمات نکلے تھے۔ انھیں کی قبور و بیوت کے آگ سے بھرنے کی بدعا کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ نماز کی اندرونی کیفیتوں کے واقف ہی

جان سکتے ہیں۔ کہ خلوت خاصہ کی کیا راز دارانہ کیف انگیزیاں تھیں۔ جن کی فوئید کی وجہ سے حلم و صبر کا یہ وسیع پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

میان عاشق و معشوق رمز لیت کر ماکاتبین راہم خبر نیست
 امام ربانی سرہندی صاحب اپنے مکتوب میں "لی مع اللہ وقت" کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود استمرار وقت کے ایک خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا۔ اور وہ وقت اداۓ نماز کا وقت تھا "الصلوۃ معراج المؤمنین" آپ نے سا ہو کا "از حنی یا بلل" (اے بلبل مجھے غم سے آزاد کر یا راحت پہنچاؤ) اس مطلب کے لئے عادل گواہ ہے اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (جن سے یہ قول "لی مع اللہ وقت" منقول ہے) بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو آپ علیہ السلام کے تمام کمالات سے وراثت کے طور پر کامل حصہ حاصل ہوتا ہے۔" (مکتوبات امام ربانی دقر اول مکتوب ص ۲۹۲) نماز کی یہی خصوصیات تھیں۔ جن کی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر اس کی ادائیگی میں کچھ فرق محسوس کرتے تھے۔ تو اشکبار ہو جاتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں۔ کہ دمشق میں میں حضرت

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی کوئی چیز نہیں پاتا۔ سوائے اس نماز کے اور وہ بھی اب ضائع کی جارہی ہے۔ (کہ تاخیر سے پڑھی جاتی ہے۔) (صحیح بخاری باب تسبیح الصلوۃ عن وقتھا)۔ نبی علیہ السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز کے ساتھ جو شغف تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں اور حق تو یہ ہے۔ کہ نمازی اسلامی زندگی کا وہ منبع ہے۔ جس سے حیات اسلامی کا ہر دھارا بھوٹ کر نکلتا ہے۔ حیات اسلامی کا دریا اسی کوزے میں بند اور ایمانی زندگی کا صحر اسی ذرہ میں بہتا ہے۔ توحید کے درخت کا پہلا ثمر یہی نماز ہے۔ اور اسلامی زندگی کا ہر گوشہ اسی کے پرتو سے روشن اور اسی کے نور سے منور ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ لکھتے ہیں۔ (اعلم ان الصلوۃ اعظم العبادات شانا و اوضحھا برحاننا و اشھر حافی الناس و اخفھا فی النفس و لذالک اعتنی الشارع ببیان فضلھا و تعیین وقتھا و شروطھا و ادائها و خصھا و نوافلھا اعتناء عظیماکم یفعل فی سائر انواع الطاعات و جملھا من اعظم شعائر الدین)۔ (حجۃ اللہ البالغہ من ابواب الصلوۃ)۔ جاننا چاہیئے۔ کہ نماز تمام عبادتوں سے بڑھ کر عظیم الشان ثبوت کے

لحاظ سے سب سے زیادہ یقینی اور سب سے زیادہ مشہور رکن ہے اور نفس انسانی کی اصلاح میں سب عبادتوں سے زیادہ نافع اور موثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شارح علیہ السلام نے اس کی فضیلت بیان کرنے اس کے اوقات کے تعین اور اسکے شروط و ارکان اور ادب۔ رخصتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ اس قدر کہ تمام عبادت میں سے کسی کے لئے بھی اتنا اہتمام نہیں کیا۔ اور دین کا اسے ایک عظیم الشان شعار قرار دیا ہے۔

اسرار شریعت کے ایک دوسرے راز دہاں حقیقت نماز کے حقائق کی پردہ کشائی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "جاننا چاہیئے کہ اسلام کے ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ نماز تمام عبادت کی جامع ہے۔ اور ایسا جزو ہے۔ جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے۔ اور تمام اعمال قرب سے برتر ہو گئی ہے۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اسی واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (الصلوة معراج المؤمنین) سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے

کوروب سے ہوتا ہے۔ وہ نماز میں ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس جہاں میں اس دولت کا کافی حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت میسر نہیں۔ کیونکہ یہ جہاں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا۔ چہرہ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب سے مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے۔ اور نماز ہی بیمار یوں کیلئے راحت بخش ہے۔ ارحمنی یا بلال اسی ماجرا کی رمز ہے۔ اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات والوں اور تلونیات و تمکینات اور تجلیات متکلیفہ اور غیر متکلیفہ اور غمورات متونہ اور غیر متونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں۔ ان کا منشا غلل و امثال بلکہ وہم و خیال ہے۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ نماز کی ادائیگی کے وقت کو یا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے۔ اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے۔ حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور ظلیت کی اسبیزش کے بغیر اصل سے فائدہ پالیتا ہے۔ کیونکہ عالم دنیا

کمالاتِ ظلی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے۔ وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہو گا۔ اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سبب (کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے) اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئی۔ اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی۔ (مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی مکتوب ص ۲۶۱) بیشک وہ نماز جس میں قلب مومن ماسوالہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ کے ساتھ مشغول ہو چکا ہو مصیبت خداوندی کی وجہ سے وہ لامکانی اور دوسرے عالم کی چیز ہے۔ اور حقیقت میں مومن کی معراج ہے۔ اقبال نے جاوید نامہ میں روح زمان و مکان کی زبانی کہا ہے۔

لی مع اللہ ہر کردار دل نعت اے جو انردے طلسم من شکست

گر تو خواہی من نباشم درمیاں لی مع اللہ باز خواں از عین جاں!

یہ نماز ہی ہے۔ جو ایک ناتواں و ضعیف انسان کو ملائعہ اعلیٰ کے انتہائی منازل طے کرا دیتی ہے۔ اور اس عالم میں جمالِ الہی کے ہر تو سے قلب مسلم ہر

انوارات و تجلیات کی بارش کرتی ہے

دربدن دہدی اگر سوز حیات بہت معراج مسلمان در نماز

نماز کے - یہی کلمات ہیں جن کی وجہ سے امام ربانی شیخ احمد سرہندی نے فرمایا ہے۔ (اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا۔ تو گویا اسلام کی اصل عظیم حاصل ہو گئی۔ اور خلاصی کے واسطے جل متین ہاتھ آ گئی۔) (مکتوبات امام ربانی مکتو ب ۳۰۴۔ نام مولانا عبدالحی صاحب)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ (اقول الصلوۃ من اعظم شائر الاسلام و علاماتہ التي اذا فقتت ینبئ ان یتحکم بفقدہ لقوة الملائۃ بینہا و بینہ وایضا الصلوۃ حی المحققۃ لمعنی اسلام الوجه اللہ و من لم ینک نہ حظ منها فانه لم یومن الاسلام لا بما لا یعابہ) (حجۃ اللہ البائنہ جلد اول فضل الصلوۃ) میں کہتا ہوں کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے۔ اور اسلام کی ان علامات میں سے ہے جس کے جاتے رہنے کے سبب اگر فقدان اسلام کا حکم کر دیا جاوے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بڑا کھرا اور قوی تعلق ہے نیز اسلئے کہ سر نیاز غم کر دینا جو اسلام کے معنی ہیں۔ انھیں نماز ہی پورے طور پر ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے کچھ حصہ نہ ملا۔ تو اسلام سے سوا اس چیز کے جس کی

پرواہ نہیں کیجاتی وہ کچھ حاصل نہ کر سکا (یعنی اسے اسلام کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔
 یہی وجہ ہے کہ جب نماز کی ظاہری صورت بھی دنیا سے اٹھالی جائے گی تو
 گویا دین کی بنیادوں میں سے آخری چیز بھی اس دنیا سے اٹھ جائے گی۔
 جیسا کہ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ (اول ما تفتقدون من
 دینکم الخشوع و آخر ما تفتقدون الصلوۃ۔ روح المعانی تفسیر سورہ مومنون بحوالہ
 حاکم و احمد) تم اپنے دین سے پہلے چیز جو ضائع کرو گے وہ خشوع ہے اور
 سب سے آخر میں نماز کی ظاہری صورت کو کھودو گے۔ نماز نہ صرف فی نفسہ
 ایک اہم فریضہ ہے۔ بلکہ مسلمان کی پوری زندگی کو پاک کرنے والا اور فلاح و
 کامرانی کے مقام تک پہنچانے والا ایک عمل بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے
 ۔ (ان الصلوۃ تسمیٰ عن الخشوع والنکر۔ العنکبوت۔ ۵) بے شک نماز روکتی ہے۔
 بے حیائی اور بری بات سے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (قد افلح المومنون الذین
 هم فی صلاتهم خشعون۔ المومنون۔ ۱) یقیناً ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی
 نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کو جو نماز
 خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور
 خشوع ایک ایسی صفت ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور جس کا

ہشتم نماز سے ہی بھوٹتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (المشروع فی القلب وان تکلین کشف اللہ المسلم و التفتت فی صلاتک۔ شروع کا مقام قلب ہے۔ اور شروع کا مظہر یہ بھی ہے۔ کہ (تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے) تمہارا پہلو ہر مسلمان کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو۔) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشع ہیں۔ وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے ہیں۔ ہمت و جلال الہی احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہی عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و عاجزی اس کے اعضا و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام زندگی حکم الہی کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

شمہ نماز سے ہی بھوٹا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سؤل کیا گیا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (الخشوع فی القلب وان تلین کفک للراء المسلم و التفت فی صلاتک۔ خشوع کا مقام قلب ہے۔ اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے۔ کہ (تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے) تمہارا پہلو ہر مسلمان کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو۔) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں۔ وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے ہیں۔ ہیبت و جلال الہی احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہی عظمیت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و عاجزی اس کے اعضا و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام زندگی حکم الہی کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

غیر نماز میں خشوع کیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تنہائی اور جائے حاجت میں فروتنی کرتا ہے۔ کیوں کہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے حال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ کی عظمت اور اپنی تقصیر کو پہچاننا ہے۔ انہیں تین معرقتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے۔

خشوع کی یہ کیفیت جس پر طاری ہو گئی۔ ظاہر ہے۔ کہ اسکی زندگی تمام تر عرفان الہی میں ڈوب کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ کہ ہر وقت الہی عظمت اور اپنی ہر قصور زندگی کی غلش اسے اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کرے گی۔ کہ نجات کا ذریعہ۔ بیماروں کی شفا اور گنہگاروں کا سہارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بتلایا ہوا ملکوتی طریقہ زندگی ہے۔ جو نماز ہی سے تدریج حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

(لما كانت فائدة الصلوة وحی الخوض فی البجۃ الشهود والا نلاک فی سلک الملائکۃ لا تحصل الا بمداومۃ علیہا و ملازمۃ بها و اکثر منہا حتی تطرح منہم اثقالہم ولا یمکن ان یومروا بما یغنی الی ترک الار تفاقات الضروریۃ والا نسلخ عن احکام الطبیعیۃ بالکلیۃ او جبت الحکمۃ الالہیۃ ان یومروا بالمحافظة علیہا والتمہد لها بعد کل بر حۃ من

الذمان يكون انتظارهم للصلاة و تضيؤهم لها قبل ان يفعلوها و بقیة لونها و صباية نورها بعد ان يفعلوها في حكم الصلاة و تكون اوقات الغفلة مضمومة بطمح بصر الى ذكر الله و تعلق خاطر بطاعة الله فيكون حال المسد كمال حصان مربوط باخية يتن شرفا و شرفين ثم يرجع الى اخية و يكون ظلمة الخطايا والغفلة لا تمدخل في جذر القلوب وهذا هو الدوام المتيسر عند ما تمتنع الدوام الحقيقي - بحمد الله جل جلاله

اول اوقات الصلاة

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی در ملائکہ کے ساتھ مجانت پیدا کر لینا بغیر نماز کی مداومت اس کے التزام اور اسکی کثرت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس (مداومت التزام و کثرت نماز) کے بغیر اقبال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتا ہے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تملیر ضروریہ کا ترک کرنا اور احکام طبع سے بکل خارج ہو جانا پڑے۔ اس واسطے حکمت الہی کا مقتضی 'ہوا کہ ان کو وقت کے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے۔ یا کہ نماز سے پیشتر اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اسکے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا نتیجہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے

ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے۔ اور اسکی طاعت میں دل معلق رہے۔ پس مسلمان کا حال اس کھوڑے کا سا رہتا ہے۔ جو اپنے تھان پر بندھا رہتا ہے۔ وہ ایک دو دفعہ دوڑ لگاتا ہے اور اپنے تھان کی طرف واپس ہو جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔ اور حقیقی مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں یہی دوام میسر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کی یہی حالت تھی۔ ان کے اعضا و جوارح دنیاوی مشاغل میں ہوتے تھے۔ لیکن ان کے دل ذکر الہی سے زندہ اور ان کے قلوب مساجد میں معلق ہوتے تھے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ (صحابہ) خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے۔ لیکن جب خدا کا کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو یہ شغل ان کو یاد الہی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اسکو پوری طرح ادا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری باب التجارۃ فی البرمر سلا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ بازار میں تھے۔ نماز کی تکبیر ہوئی۔ دیکھا کہ صحابہ نے دکانیں فوراً بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۲۵۳ ج ۲ بحوالہ عبد الرزاق) قرآن حکیم نے خود گواہی دی ہے۔ (رجال لا تہمم تجارتا

ولایع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایاء الزکوٰۃ۔ (النور) وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کی مشغولیت غافل نہیں کر سکتی۔

نماز کے بعد اس کے اثرات کے متعلق امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ کہ ”یحییٰ ابن وثاب جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور ان کے چہرے سے رنج و غم کے آثار ظاہر ہوتے۔ (اور ابراہیم نخعی بعد نماز کے ایک کھنڈ ٹھہرے رہتے تھے۔ گویا کہ بیمار ہے۔ یہ صورت ان نماز گزاروں کی ہوتی ہے جو خشوع کرتے ہیں۔ اور نماز کی ہمہداشت اور مداومت کرتے ہیں۔ اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور و طاقت ہوتی ہے۔ اسکے موافق اللہ تعالیٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔ غور کیجئے کہ ایک شخص جب نماز سے پہلے اسی نماز کے ہتمام و انتظار میں رہتا ہے۔ اور نماز کے بعد بھی نماز کے روحانی اور نورانی اثرات اس پر چھائے رہتے ہیں۔ تو گویا اس کا تمام وقت نماز ہی میں گذرتا ہے۔ اسکی خرید و فروخت اس کا کاروبار اس کے دنیوی مشاغل اسکی زندگی کی ہر حرکت نماز ہی میں شمار ہوتی ہے۔ یقیناً ایسا شخص جو ہر وقت بارگاہ ایزوی میں حاضر ہونے کے خیال میں لگا رہے۔ کبھی رب العزت کے

احکامات کے خلاف ورزی طبعاً نہیں کر سکتا۔ کہ ادا کردہ نماز کی کیفیات ہنوز باقی ہیں۔ اور دوسری نماز کے وقت پر ادا کرنے کا خیال دل میں چٹکیاں بے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں منجوقہ حاضری کا خیال اور مالک الملک کی بارگاہ بے نیاز میں ہر قصور بندے کی بار بار طلبی رفتہ رفتہ اسے گناہوں سے قطعاً گریزاں کر دیتی ہے۔ اور اس کے ذہن میں عبادت الہی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ کہ اسکی زندگی سراپا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی میں ڈھل جاتی ہے۔ اس کا دل ہر وقت جذبہ عبادت سے معمور اور اسکے اعضاء و جوارح اور اہلیہ کی پابندی میں مشغول رہتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ "قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا۔ جن میں ایک شخص کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ (رجل قلبه معلق فی المسجد۔ بخاری کتاب الحاربین باب فضل من ترک الفواحش ص ۱۰۰۵ ج ۲) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹک رہا ہو (یعنی ہر وقت نماز کے خیال و فکر میں رہتا ہو) الغرض نماز کی باقاعدہ ادائیگی اور دربار الہی کی حاضری کی جہم فکر انسانی خیالات و اعمال کو یکسر بدل کر رکھ دیتی

ہے۔ شاید اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (راس الامر ۱۱)
 سلام و عمودہ الصلوٰۃ۔ جامع ترمذی جلد ثانی باب ماجاء فی حرمة الصلوٰۃ ص ۸۶
 دینی زندگی کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے۔ (اور عارف سرہندی
 کے اس قول کا بھی یہی غالباً مدعا ہے۔ "اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو
 گویا سلام کا اصل عظیم حاصل ہو گیا۔ اور خلاصی کے لئے جبل متین ہاتھ
 آگئی۔"۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۰۴)

قیامت میں بھی نماز ہی انسانی اعمال کا معیار و میزان ہوگی۔ اگر وہ صحیح
 ٹھہری تو نجات یقینی ہے۔ ورنہ خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ امام
 ترمذی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (قال سمعت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان اول ما يحاسب به العبد يوم القيمة من عمله صلاة فان
 صلحت فقد افلح ونجح وان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فريضة شيئا قل
 الرب تبارك وتعالى انظر واهل لعبدى من تطوع فكميل بها ما انتقص من
 الفريضة ثم يكون سائر عمله على ذالك۔ جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۱ باب ماجاء ان اول
 ما يحاسب به العبد يوم القيمة الصلوٰۃ۔ ابو ہریرۃ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ قیامت میں بندے کا سب سے پیشتر

نماز کا حساب ہو گا۔ اگر نماز صحیح ٹھہری تو فلاح و نجات پا جائے گا۔ اور اگر نماز خراب نکلی تو تباہ اور خسارہ پانے والوں میں ہو جائے گا۔ اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میرے بندے کی نفلی نمازوں کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری کرو۔ پھر اس کے باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائے گا۔) پھر یہ نماز جس طرح آخرت میں فلاح و کامیابی کا وسیلہ ہے۔ اور جس طرح یہ ہماری انفرادی زندگیوں کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح جسم ملت میں اجتماعیت کی روح بھونکنے اور امت اسلامیہ کے متفرق موتیوں کو ایک لڑی میں منسلک کرنے کا نسخہ بھی یہی نماز ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت کی جو اہمیت ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے۔ (قال من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غداً مسلماً فلیحفظ علیٰ حذوہ) اصولت حیث ینادی 'بھن فان اللہ شریع لنبیکم سنن الہدیٰ وانھن من سنن الہدیٰ' ولوا نکم صلیتم فی یونکم کما یصلی هذا المستخلف فی بیتہ لترکتہ نبیکم ولو ترکتہ نبیکم لظلمتم وامن رجل یتظہر فیحسن الطہور ثم یعدالی مسجد من هذا المساجد الا کتب اللہ لہ بكل خطوة یمطو حاحۃ ویرفعہ بحدرجہ ویمط عنہ بھا

سیدہ و تقدرائینا وما تخلف عنها الا منافق معلوم النفاق ولقد كان الرجل يوتي به
يحمدي بين الرجلين حتى يقيم في الصف - صحيح مسلم باب فضل صلوة الجماعة
حيث ينادى بھام ۱۲۵ ج ۱) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں - کہ جس کی خواہش
ہو کہ کل (قیامت کے روز) وہ اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے -
اسے چاہئے کہ ان نمازوں کو پابندی سے وہاں مسجد میں جماعت سے ادا
کرنے جہاں سے ان نمازوں کیلئے ندا (یعنی اذان دی جاتی ہے - اللہ تعالیٰ نے
تمہارے نبی علیہ السلام کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کیے ہیں - اور یہ
نمازیں ان ہدایت کے طریقوں ہی میں سے ہیں - اور اگر تم اس جماعت سے
چھپے رہ جانے والے کی طرح جو گھر میں نماز پڑھتا ہے - گھروں میں نمازیں
پڑھو گے تو اپنے نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے - اور اگر تم اپنے نبی
علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے - تو گمراہ ہو جاؤ گے - جو شخص بھی ابھی
طرح وضو کر کے ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے - اللہ اسکے
ہر قدم کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھتا ہے - ایک درجہ بڑھاتا ہے اور ایک گناہ
معاف کرتا ہے - اور ہم (صحابہ) دیکھتے تھے - کہ نماز جماعت سے صرف غیر حاضر
ایسے ہی اشخاص ہوتے تھے - جن کا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا - اور یہ حالت

بھی ہم نے دیکھی تھی۔ کہ ایک شخص (بیماری کی وجہ سے دو آدمیوں کے درمیان میں کھستا ہوا لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صف کے درمیان میں کھڑا کر یا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ (عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسانی بعض الصلوۃ فقال لقد محمت ان امر رجلاً یصلی بالناس ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنہا فامرہم فیجر قوا علیہم لجرم الحطب یوتہم ولو علم احدہم انہ یجد عظمائہما یشہدہا یعنی صلوۃ العشاء (صحیح مسلم باب فضل الصلوۃ بخاری باب وجوب صلوۃ الجماعۃ باختلاف لیسیر) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ میرے جی میں آتا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم کروں پھر خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو جماعت کے نماز سے بیٹھ رہتے ہیں۔ (یعنی نماز میں نہیں آتے) پھر حکم کروں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے ان کے کھر جلا دیے جاویں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے چکنی و چرب ہڈی (جیسی حقیر) چیز بھی ملتی تو (دنیاوی فائدے کی لالچ کی وجہ سے) ضرور عشاء کی جماعت میں وہ اتا۔ امام احمد نے اسی قسم کا مضمون

ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔ (قال لولامانی السیوت من النساء والذریۃ اقیمت
صلوۃ العشاء وامرت فتیانی بحرقون مانی السیوت بالنار۔ مشکوٰۃ ص ۹۷ باب الجماعۃ و
فضلہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ان (لوگوں کے) گھروں
میں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں یہاں
عشاء کی نماز شروع کراتا۔ اور اپنے چند نوجوانوں کو حکم دیتا کہ ان گھروں
میں جو کچھ ہے۔ اسے آگ سے جلا دو۔ جماعت کی تاکید اور اہمیت کے بارہ
میں چند روایتیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ
جس نے اذان سنی اور پھر بغیر عذر کے اس کی اجابت (یعنی جماعت کے ساتھ
نماز ادا) نہ کی۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ باب التخلیۃ فی الخلف عن الجماعۃ
مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلہا۔ بحوالہ دارقطنی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
کہ آدمی کے کانوں میں مانگ پکھلا کر بھر دیا جاوے تو اس سے بہتر ہے۔
کہ آذان سننے اور نماز کو نہ آوے۔ (احیاء العلوم غزالی) ابن ماجہ اسماعیل ابن زید سے
روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (لیتھین رجال
عن ترک الجماعۃ اولاً حرقن بئوتہم۔ ابن ماجہ باب التخلیۃ فی الخلف عن الجماعۃ)
لوگ ترک جماعت سے باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ

گواہوں کا۔ امام ترمذی نے ابن عباس کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ قرن اول میں ترک جماعت کو کتنا برا گناہ اور سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

(قل مجاہد و سئل ابن عباس عن رجز یوم النصار و یقوم اللیل لایشهد جمعة ولا جمعة فخل حو فی المنار - سنن ترمذی باب ما جاء فیمن سمع النداء فلا یمجب) مجاہد کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عباس سے ایسے شخص کی نسبت پوچھا گیا جو دن کو روزہ رکھتا ہو رات قیام کرتا ہو اور جمعہ اور جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔ یعنی جہنم میں جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی بستی میں یا صحرا میں اگر تین آدمی بھی ہوں اور وہ جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان کا تسلط ہے۔ یہ حدیث مشہور صحابی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من ثلثة فی قریة وللدور لا تقام فیهم الصلوة الا قد استحوذ علیهم الشیطان فعلیکم بالجماعة فانما یاکل الذئب الغنمۃ قال السائب یعنی بالجماعة فی الصلوة - سنن نسائی باب التصدید فی ترک الصلوة مشکوٰۃ ص ۹۶) ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ اگر کسی قریہ یا صحرا میں تین آدمی ہوں اور وہاں جماعت سے نماز قائم نہ کی جائے تو ان پر شیطان غلبہ پائے گا۔ پس جماعت کی پابندی کرو کہ بھیڑ یا (کڈریے سے پرے اکیلی)

بکری کو کھاجاتا ہے۔ سائب راوی کہتے ہیں۔ "کہ جماعت سے مراد جماعت
 کے ساتھ نماز ہے۔" جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے نماز کا ثواب بھی بدر
 جہادہ جاتا ہے۔ چنانچہ صحاح کی یہ مشہور حدیث ہے۔ (قال صلوة الجماعة
 تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة۔ بخاری باب فضل الجماعة، مسلم باب فضل
 الجماعة) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ کی نماز
 اکیلی نماز پڑھنے سے سائنس درجے فضیلت رکھتی ہے۔ بعض روایتوں میں
 آتا ہے کہ "جماعت کی نماز اکیلی نماز سے پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے"
 حضرات محدثین نے پچیس اور سائنس کے اس فرق کے متعلق فرمایا ہے۔
 کہ یہ فرق اخلاص اور باطنی کیفیات کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔
 جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت ہی کے بارہ میں چند حدیثیں ذیل کی اور
 بھی پڑھ لیجئے۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے۔ (قال قال النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم اعظم الناس اجرانی الصلوة ابدعہم فابعدہم ممشی الذی یتظر الصلوة
 حتی یصلیہا مع الناس اعظم اجرآ من الذی یصلی ثم نیام۔) صحیح بخاری باب
 فضل صلوة الغری فی جماعتہ ورواہ مسلم نحو ۲۳۵ ج ۱) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ
 عنہ کہتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر پانے

والا وہ شخص ہے۔ جو مسجد سے سب سے زیادہ دور رہتا ہے۔ (کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھائے گا۔ اتنا اجر زیادہ ہوگا) اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ جماعت سے پڑھ لے وہ اس شخص سے بہت زیادہ ثواب پانے والا ہے جو اکیلا پڑھ کر سو جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ کہ (قال لم یعلم الناس مانی المدا والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یتسموا علیہ لا یتسموا علیہ ولو یعلمون مانی التمجیر لا یتبقوا الیہ ولو یعلمون مانی العتہ والصبح لا توحموا ولو حیوا۔ بخاری جلد اول باب فضل التمجیر) نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے اجر و ثواب کا علم ہو جاتا تو ان کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی (کہ ہر شخص خود یہ فضیلت لینا چاہتا) اور اگر لوگوں کو دوپہر میں پہلے آنے کا اجر معلوم ہوتا تو ضرور اس کی طرف (جلدی) بڑھتے۔ اور اگر صبح اور عشاء (کی جماعت) کی نماز کا اجر معلوم ہوتا تو کھستے ہوئے (مساجد) میں پہنچتے۔

عبدالرحمن ابن ابی عمرہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور اکیلے بیٹھ گئے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں۔ کہ میں بھی ان کے ساتھ جا بیٹھا۔ مجھے فرمانے لگے۔ کہ اے بیٹے

۱ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اس نے نصف شب قیام (عبادت الہی میں) گزار دی۔ اور جس نے صبح (صبحی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا وہ تمام رات نماز میں مصروف رہا۔ (مراد یہ ہے کہ اسے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ صحیح مسلم باب فضل صلوۃ الجماعت)۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں اس حالت بیٹھا رہتا ہے۔ کہ اس کے اہل کی طرف جانے سے سوا نماز کے دوسری چیز مانع نہیں ہوتی (یعنی خالص نماز کے انتظار میں ہوتا ہے) اس کا یہ تمام انتظار کا وقت نماز ہی میں محسوب ہو گا۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۵ ج ۱) جابر ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے پرے (کچھ دور) تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بیچ کر مسجد کے قریب سکونت اختیار کر لیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا۔ اور کہا کہ مسجد (کی طرف نماز کی نیت سے آنے پر) ہر ہر قدم پر تمہیں درجہ ملتا ہے۔ (صحیح مسلم باب فضل المکتوبہ) بریدہ اسلمی سے روایت ہے۔ (عن بریدۃ الاسلمی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بشر المثنائین فی الظلم الی المساجد

بالنور التام یوم اعیامتہ - جامع ترمذی باب جاء فی فضل العشاء والنہر فی جماعتہ
 وقال الترمذی هذا حدیث غریب (بریدۃ السعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رات کے اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے
 والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی بشارت دے دو۔ ابن ماجہ نے
 حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا :- (لمن صلی فی مسجد جماعتہ اربعین لیلة لا تقوۃ اہرکتہ الاولی من
 صلوۃ العشاء کتب اللہ لہ عتقا من النار۔ ابن ماجہ صلوۃ العشاء والنہر فی جماعتہ) جس
 نے چالیس رات مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی کہ عشاء کی پہلی رکعت
 اس سے فوت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی دے گا۔ احیاء
 العلوم میں امام غزالی نے نقل کیا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں :- (من
 صلی اربعین یوماً اصلوات فی جماعتہ لا تقوۃ فیھا تکبیرۃ الاحرام کتب اللہ لہ براءۃ
 تین براءۃ من النفاق وبراءۃ من الذل) جو شخص چالیس روز جماعت کے ساتھ
 اس طرح نماز پڑھے کہ اسکی تکبیر اولی فوت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے
 دو آردایاں لکھ دیتا ہے۔ ایک نفاق سے اور دوسرے دوزخ کی آگ سے۔
 جماعت کی یہی فضیلت تھی۔ جس کی وجہ سے نبی علیہ السلام دو اور تین

آدمیوں کو بھی جماعت ہی سے نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ مالک ابن الحویث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں اور میرا ایک دوسرا ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جب ہم آپ کے پاس سے واپس جانے لگے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (اذا حضرت الصلوۃ فاذا نائم انیما ولیوہ کمما کبر کما۔ صحیح مسلم باب من احق بالامۃ بخاری نے اس حدیث کے آخری الفاظ روایت کیے ص ۹۰ ج ۱) جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دو بھر دونوں نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے۔ سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :- امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا مثنیٰ ان یتقد منا احدنا۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی الرجل یصلی مع الرجلین) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی بھی ہوں تو ایک آگے بڑھے (یعنی نماز باجماعت ادا کی جائے) ابو سعید کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تین آدمی ہوں تو ایک ان میں سے (نماز میں) امامت کرے اور امامت کا ان میں سے زیادہ حقدار قرآن کا زیادہ جاننے والا ہے (اوکما قال) (سنن نسائی الجماعۃ اذا کانوا مثنیٰ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کو جماعت کا اس قدر پابند بنادیا تھا۔ کہ

جماعت کے بغیر انھیں چین ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے وہاں اذان و اقامت کہہ کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری باب وجوب صلوٰۃ ---) امام بخاری نے حضرت اسود ابن یزید (مشہور تابعی) کے متعلق نقل کیا ہے۔ کہ جب ان سے ایک مسجد میں جماعت فوت ہو جاتی تو دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (کہ جماعت مل جائے) صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱) امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ کہ میمون ابن مہربن مسجد میں آئے کسی نے ان سے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ کر چلے گئے۔ کہا اس جماعت کی فضیلت مجھ کو عراق کی حکومت کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ سعید ابن مسیب فرماتے ہیں۔ کہ بیس برس کے عرصہ سی میرا یہ حال ہے۔ کہ جب موذن نے اذان دی تو میں مسجد میں ہوتا ہوں۔ (احیاء العلوم) امام مالک نے ابو بکر ابن سلیمان سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک دن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح بازار جایا کرتے تھے اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کی درمیان تھا۔ آپ کا گھر سلیمان کی والدہ شفاء

پر ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا وجہ ہے۔ کہ ارج سلیمان صبح کی نماز میں حاضر نہیں تھے۔ سلیمان رضی اللہ عنہ کی والدہ شفا (نابی) نے جواب دیا کہ تمام رات وہ بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے ہیں اور صبح کے وقت نیند کے غلبہ سے ان کی آنکھ کٹی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھوں تو مجھے یہ تمام رات کے قیام سی زیادہ عزیز ہے۔ (مشکوٰۃ باب الجماعت وفضلا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود جس قدر جماعت کی پابندی کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ مرض وفات میں بھی جب تک ممکن تھا۔ آپ علیہ السلام نے جماعت ترک نہیں کی۔ اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھانے نکلے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا۔ تو دو آدمیوں کے سہارے اسی وقت مسجد اشرف لا کر شریک جماعت ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصل الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں :- فخرج بها دی بین رجلین کالی انظر الی رجلیہ تمطآن الارض من الوبع۔ نبی علیہ السلام دو

آدمیوں کے درمیان ان پر سہارا کرتے ہوئے نکلے۔ گویا کہ میں آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو دیکھ رہی ہوں کہ زمین پر درد کی شدت سے کھسبے چلے جا رہے ہیں۔ اور اٹھا نہیں سکتے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چپے ہٹا چاہا۔ نبی علیہ السلام نے انھیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کو کہا۔ اور ان کے جہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔ اور نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری باب حد المریضان یشہد الجماعۃ) آپ علیہ السلام کی ارشادات و عمل نے صحابہ کو جماعت و مساجد کا شیدا کر دیا تھا۔ اور جماعت کی پابندی اور مسابہ میں اس باہمی میل جول نے انھیں اخوت کے حقیقی رشتوں میں جوڑ کر اپنی دیوار کی طرح مضبوط کر دیا تھا۔ اور محبت و الفت کا وہ جذبہ دلوں میں پیدا کر یا تھا۔ کہ ملت اسلامیہ کی حیثیت باہمی ہمدردی میں جد و احد کی ہو گئی تھی کہ اگر ایک مسلمان بھائی کا سر دکھتا تھا۔ تو دوسرا بے قرار ہو جاتا تھا۔ ایک کو تکلیف پہنچتی تھی۔ تو دوسرا بے تاب ہو جاتا تھا۔ اجتماعیات کے واقف جانتے ہیں۔ کہ قوم و ملت کا قالب ہمیشہ اس روح سی قائم رہتا ہے۔ جو اسکی جماعتی زندگی کا شیرازہ اس جذبہ یا تعلق سے مربوط رکھتی ہے جو جذبہ مختلف الخیال اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک کرتا ہے۔ یہی تعلق و جذبہ ہوتا ہے جو اقوام و ملل کی رگ زلیست

کا حکم رکھتا ہے۔ جب مختلف الحیال اشخاص و افراد پر خیالات و کیفیات کی ایک ہی روح طاری ہو جاتی ہے تو اس جذبہ قوی کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہی جذبہ قوی ہے۔ جس سے قوموں کی زندگی وابستہ ہے۔ اور امت مرحومہ میں اس جذبہ کی پرورش و ترقی کا ایک خاص ذریعہ نماز باجماعت بھی ہے۔ جو ایک طرف باہمی ربط و ضبط، الفت و محبت پیدا کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ الہی رابطہ پیدا کرتی ہے۔ جو ملت اسلامیہ کے شیرازے کی زریں ملک اور آہنی کڑی ہے۔ اور یہی تعلق و رابطہ تمام ملت اسلامیہ کو ایک الہی رنگ میں رنگ کر امت مسلمہ کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ کہ ان کامرنا جیسا ب اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ روزانہ ایک امام کے چھپے پانچ وقت نماز ہم میں طاعت امیر، ضبط و نظم، ہمدردی و مواسات، باہمی محبت و الفت کا جذبہ پیدا کر کے ہماری رکوں میں اجتماعیت کا وہ خون دوڑاتی ہے۔ جو قوموں کے لئے حیات تازہ کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ہمارے دن اچھے تھے۔ تو ہماری قومی زندگی کا ہر چشمہ ہماری مساجد ہی سے بھونٹتا تھا۔ قرن اول میں الصلوٰۃ جامتہ کی منادی کے بعد ہر مشکل و اہم قومی مسئلہ کی گرہ کشائی، ذکر و علم کے حلقے، جوش کی روانگی، مقدمات کا فصل، ملی مشورے سب مسجد ہی میں ہوتے تھے۔

غرض ہماری پوری اجتماعی زندگی مسجد ہی کے محور کی گرد کھومتی تھی۔
 اسلام میں مسجد کی جو اہمیت ہے۔ وہ صرف اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہماری
 اجتماعی اور مدنی زندگی کی تعمیر بھی مسجد ہی کی بنیادوں پر کی گئی چنانچہ
 ہجرت مدینہ (جو کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی کا نقطہ آغاز ہے) کے بعد
 معمار امت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو عظیم الشان کام سرانجام
 دیا۔ وہ مسجد کی تعمیر ہی تھی۔ تعمیر کے وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 مزدوروں کے لباس میں خود متھراٹھا رہے تھے۔ اور زبان کلمات جاری تھے۔
 اللهم بنی لاخیر الاخیر الاخرۃ۔ فانصر الانصار والمهاجرة۔ بخاری ص ۵۵۹ ج ۱ باب
 مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی الدینۃ (اے اللہ بھلائی تو حقیقتاً چیز
 آخرت ہے۔ تو انصار و مہاجرین کی مدد کر کہ وہ خیر آخرت کے طالب ہیں۔
 سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رجز کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں
 کر رہا ہے۔ کہ خیر آخرت جو اسلامی حیات طیبہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ مسجد ہی
 کے دامن میں برک و بار پیدا کرتی ہے۔ اور ملت حنیفی کے موسس اول
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کعبہ (دنیا کی سب سے پہلی مسجد) کی
 دیواریں اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی۔ جس کا ذکر قرآن مجید

نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ (واذا رفع ابراہیم القواعد من البيت واسمعیل ربنا
 تعجل منا انک انت السميع العليم ہ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن زیرتنا امۃ
 مسلمہ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اور جب اٹھا رہے
 تھے۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمعیل علیہ السلام بھی (اور
 یہ کہتے جاتے تھے۔ کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول
 فرمائیے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار
 ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی
 جماعت (پیدا) کیجئے۔ جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ)
 کے احکام بھی بتا دیجئے۔ اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے۔ اور فی الحقیقت آپ
 ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔ تو حضرت ابراہیم و
 اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا میں بھی اس طرف اشارہ تھا۔ کہ امت مسلمہ
 کی زندگی مسجد سے ہی کسی نہ کسی طرح وابستہ ہے۔ نماز و مسجد کا اسلامی
 انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر میں جو حصہ ہے اس کو حضرت علامہ سید
 سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش
 کیجئے۔ فرماتے ہیں "ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

کہ نماز اسلام کا اولین شعار اور اسکے مذہبی و اجتماعی و تمدنی و سیاسی و اخلاقی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔ اسی کی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا۔ اور اسی کی گرہ کھل جانے سے انکی نعم و جماعت کی ہر گرہ کھل گئی ہے۔ مسجد مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز اور نماز اس مرکزی اجتماع کی ضروری رسم تھی۔ جس طرح آج ہر جملہ کا افتتاح اسکے نصب العین کے اعداد و تعین کے لئے صدقاتی خطبات سے ہوتا ہے۔ اس طرح مسلمان جب زندہ تھے۔ ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا۔ ان کی ہر چیز اسکے تابع اور اسی کے زیر نظر ہوتی تھی۔ ان کی نماز کا کھریبی ان کا دارالمدار تھا۔ وہی دارالشوری تھا۔ وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہ درگاہ اور وہی معبد تھا۔ جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد افراد کے باہمی ربط و ارتباط پر ہے۔ اور جماعت کے فائدہ کے لئے افراد کا اپنے ہر آرام و عیش اور فائدہ کو قربان کر دینا اور اختلاف باہمی کو تہ کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اسکے حصول کی لازمی شرط ہے۔ اسی کی خاطر کسی ایک کو امام و قائد و سر لشکر مان کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لینا ضروری ہے۔ اسلام کی نماز اہی رموز و اسرار کا گنجینہ

ہے۔ یہ مسلمانوں کو نظم و جماعت، اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدت و قوت کا سبق دن میں پانچ بار سکھاتی ہے۔ اسی لیے اس کے بغیر مسلمان نہیں، اور نہ اسکی کوئی اجتماعی وحدت ہے۔ نہ انقیاد امامت ہے نہ زندگی ہے۔ اور نہ زندگی کا نصب العین ہے۔ اسی بنا پر داعی اسلام علیہ السلام نے یہ فرمادیا۔ (العہد الذی بیننا و بینکم الصلوٰۃ، فمن ترکھا فقد کفر۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے۔ وہ نماز ہے۔ تو جس نے اسکو چھوڑا، اس نے کفر کا کام کیا۔ کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالب بے جان، شراب بے نش اور مٹی بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی جماعت کا ایک ایک شخړ اور ایک ایک امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے نماز اسلام کا اولین شعار ہے۔ اور اسی کی زندگی سے اسلام کی زندگی ہے (سیرت النبی طبع دوم جلد پنجم ص ۱۹) سطور بالا پر ایک نظر غائر ڈالنے سے ملت اسلامیہ کی بقا و ترقی، تنزل و اضمحلال میں اقامت صلوٰۃ اور اصناف نماز کی جو تاثیر ہے۔ وہ صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور نص قرآنی اس پر شاہد عدل ہے۔ کہ نمازوں کی بربادی اقوام و ملل کی بربادی کا بڑا سبب ہے۔ (خلف من بعد ہم خلف اصناف الصلوٰۃ و اتبعوا الشیوٰۃ

فسوف یلقون غیا - مریم - ۴) مہر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا - اور (نفسانی ناجائز) خواہشات کی پیروی کی سو یہ لوگ (عنقریب) خرابی دیکھیں گے۔

تھیں تا مسجد صف کشیدند • گریبان شمشادیں کشیدند

چوں کہ آتش دردن سینہ اسرد • مسلماناں بدر گاہاں خریدند

ملت کے ٹھکے ہوئے قافلے کو اس کی اصلی منزل پر لانے، مسلمانوں کے تن بے روح میں حیات اسلامی کا تازہ خون پیدا کرنے اور مدلوں کے ملی جمود کو توڑنے کا آسان ترین ذریعہ یہی ہے۔ مگر امت اسلامیہ جسکی اکثریت اسلام کے سب سے بڑے اس فریضہ کو بھلا کر اپنے کو تباہیوں اور بربادیوں کے دامن میں پھینک چکی ہے۔ اسے مہر مساجد کی طرف لایا جائے۔ کہ مساجد کی تباہی اور نماز کی باقاعدہ اداگی سے ہی قوام ملت مزید اضمحلال سے بچ سکتا ہے۔ اور "معراج المؤمنین" کا تسک و اہتمام ہی ہماری گرتی ہوئی ملی عمارت کو سدا دے سکتا ہے۔ جس طرح قرن اول میں اسلامی دھڑکی مسجد نبوی میں ممتہ ہو کر عالم کی سیرابی کا باعث بنی تھی۔ آج بھی بیوت الانبیاء کی طرف مسلمانوں کا عود ہی ان پر اسلامی زندگی کی راہیں کھول کر عالم کی

بیاض و کرمت بہ ایزم کرایں ملت جہاں دہلادوش است



علم و ذکر

یہ عالم اور اس کی تمام کائنات ظاہری نظر میں ہمارے احسان کا کرشمہ ہے۔ جو کچھ ہمارے حواس سے نہیں معلوم ہوتا ہے اسی کو ہم اپنا عالم تصور کرتے ہیں۔ گویا ہماری دنیاوی زندگی کا سارا سرور و بار اور تمام جمیلا ہمارے حواس کی عطا کردہ محسوسات پر استوار کیا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے اعمال و افعال کی منطقی تحلیل کریں تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا ہر عمل نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس ذہنی انداز سے و تصور کا محض مستقبل کے متعلق ہماری عقل کو رہتی ہے۔ اور ہماری عقل کی دسترس انہیں اسباب و نتائج پر بنا کردہ اندازوں تک ہے جو ہمارے حواس کی نظر میں آفرینش آدم سے رو پذیر ہوتے پہلے آئے ہیں۔ گویا اس حیات فانی کا تمام شغلہ نظم و تنجیم کی یہی خیالی قدیم اور ان کے اثرات ہیں جنہیں ہم اپنے حواس ظاہر سے جان رہے ہیں اور اسی علم کی بنا پر تمام عالم لادینی نظامات کا آماجگاہ بن رہا ہے۔ اور دنیاوی زندگی کی تمام کشتافیں اس علم کے برتے پھیل رہی ہیں

عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا عشق ناپید و خود سے گزشت صورت مار

آج تک فیصلہ نفع و ضرر نہ سکا اپنی حکمت کے خم و یخ میں الجھا ایسا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا جس نے سوچ کی شاعروں کو گرفتار کیا

لیکن اس حیات تھنیں وطن کے سوا ایک اور زندگی بھی ہے جو ہماری شب تاریک کے لئے

لندہ ہماری دراندازیوں کا علاج اور انسانیت کے زخموں کا مرہم ہے۔ وہ حیات گو اس عالم سے

پرے اور موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن یہ زندگی اس کا عکس اور اس یقین کا نتیجہ بن

کر بلا راحت چین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس زندگی کا علم ہمیں مخبر صادق، اعلم الناس

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے دیا ہے۔ اور جس طرح ہماری موجودہ زندگی حواس کی اس

واقفیت پر مبنی ہے جو انسانی تورات کے ذریعے ہیں پہنچی ہے۔ اور جس کے لوا تراد ہم مگر

ہونیکی وجہ سے ہم نے اس دہم کو حقیقت سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ

وثوق کے ساتھ آنے والی زندگی کے خالق ہیں اس ذات والا صفات صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعے ملے ہیں جس کی سچائی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی صداقت کی

وجہ سے اس کے دشمن بھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگا سکے

فَاِنَّهُمْ لَا يَكْذِبُوْنَكَ وَلَكِنْ

الظَّالِمِيْنَ يَايْتِ اللّٰهُ يَخْجَدُوْنَ

(سورہ الاحقاف ص ۱۴) آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آپ نے ہیں ایک آنے والے عالم کی خبر دی کہ اللہ کا وہ فرستادہ دنیا و آخرت کے

اس سنگم پر تھا جہاں دنیا و آخرت اپنے تمام اسرار کو منکشف کیے ہوئے اس کے سامنے تھی جس

کی تشکیل اس اسی آکا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے پہاڑی کے وسط میں ملاپیش کی کہ جس طرح

کوہِ قاف کی دونوں طرف کی پستیوں کے حالات اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ اسی طرح اس

فانی عالم اور باقی رہنے والی دنیا کے حالات اس کی نبوی نگاہوں کے سامنے پست تھے۔ چنانچہ

امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ :-

لَمَّا نَزَلَتْ وَاذْ رَعِيبُ نَكَثَ
الْاَقْرَبِينَ وَرَهْطُكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلَصِينَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى
صَبَّحَ الصَّافِي فَهْتَفَ يَا صَبَاحَاهُ
فَقَالُوا مَنْ هَذَا فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ
فَقَالَ اِرْأَيْتُمْ اِنْ اخْبَرْتُكُمْ اَنْ
خَبِيرًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هَذَا
لِجَبَلٍ اَنْتُمْ مُصَدِّقِي قَالُو
مَا جَرَيْنَ عَلَيْكَ كَذَبًا
فَقَالَ اِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ مِنْ
يَدِي عَذَابٍ شَدِيدٍ
(صحیح بخاری ج ۳ صفحہ ۷۳ جلد دوم)

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریب
کے رشتہ داروں کو ڈرائیے اور ان میں
جو مخلص گروہ ہے اسے بھی ڈرائیے تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا
کی پہاڑی پر پڑھے کہ (صبح کے مدد
چاہنے والوں کی طرح) پکارے، یا
صباحاہ! لوگوں نے کہا یہ کون مدد
کے لئے پکار رہا ہے اور آپ کے پاس
جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں
کہ ایک خروج پہاڑی کے اس جانب سے
تم پر حملہ آور ہوا جا رہا ہے تو کیا میرا کہنا
باد رکھ دو گے۔ حاضرین نے کہا آپ نے
کبھی جھوٹ نہیں بولا (اس لئے آپ
کہات کیوں نہ مانیں گے) آپ نے فرمایا

میں ایک سخت عذاب سے پیشتر نہیں ڈرانے والا ہوں۔

یہی حیاتِ اخروی کی نیا دہائی تھی، عالمِ آخرت اور حیاتِ بعد الموت کی خبر تھی کہ اسلامی
زندگی کی بنیادیں تمام تر عالمِ آخرت کے ایمان و یقین پر اٹھائی ہیں، کہ جب تک خبر اور سزا کا یقین
راستح نہ ہو اعمال کی اصلاح محال ہے۔ اس دہرے سے قرآن و حدیث کا صفحہ صفحہ عالمِ مادی کی
پردہ کشائی کرتے ہوئے اس پر ایمان کامل کی دعوت دے رہا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر مسلمان
ہونا ناممکن اور ایمانی دائرے میں داخل ہونا محال ہے۔ کہ اس عالم میں جس طرح فعل کا کوئی

کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور پڑتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں یہ تسلیم دیتا ہے کہ تمہارے دنیاوی عمل کا نقشہ تمہاری آنے والی زندگی پر ثبت ہو رہا ہے اور تمہارے فعل کا اثر دوسرا ایک آنے والے عالم پر پڑ رہا ہے۔ جہاں تمہیں تمہارے ہر کام کا ثواب و عذاب جزا و سزا مل جائیگی۔ قرآن کریم ایک جگہ مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو ظاہر فرما رہا ہے۔

يَوْمَ يُصِدِّرُ النَّاسَ أَشْيَاتًا
لِّیُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَنْ ذُو نَقْلٍ
مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ
مَنْ تَخِلَّ يَوْمَئِذٍ شِئًا
ذَرَّةً شَرًّا يَبْصُرْ

اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر
(توقف حاب سے) واپس ہوں گے
تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ
لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر
نیکی کرے گا۔ وہ (وہاں) اس
کو دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر
بدی کرے گا۔ وہ اس کو دیکھ لے گا۔

(الزلزال — ۱)

خدا سے عزوجل کے آخری فرستادہ محمد ﷺ نے اسی لئے
اسماں کی ترغیب و ترہیب کے ضمن میں ان اعمال کے فضائل اور ان سے متعلق وعیدوں پر گفتگو
فرمائی یہ یہاں تک کہ ایک ایک دنیاوی عمل کی اخروی حقیقت کلیتہً اجاگر ہو گئی ہے۔ ادراک ہر
شخص کتب و سنت سے معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں کام کی اخروی جزا و سزا کیا ہو گئی۔ یا اس کے
اس عمل کا آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحبؒ
نے فرمایا ہے :-

وہ خدائے تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعے
سے انبیاء علیہم السلام کو اعمال پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب کو بتلے دیا، تاکہ
وہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں۔ اور لوگوں کے قلوب اس ثواب و عذاب کو
سن کر بیم ورجا سے ملو ہو جائیں اور اپنے ذاتی مقصد و اولاد سے لوگ ان

شرائع کی پابندی کریں جیسے اور باقی امور میں خوف و امید کیا کرتے ہیں ۔
 جن سے کوئی ضرر و دور ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہو جاتا ہے ۔

(حجۃ اللہ البائنہ جلد اول باب اسرار التزیینات)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کو اللہ کا حکم اس کی رضا کا ذریعہ اور
 ایمان کی تکمیل کا سبب سمجھتے ہوتے (ایماناً) اور اس پر موجود اجر و ثواب کے ملنے کا کامل یقین
 و دھیان رکھتے ہوئے (احتساباً) کرنے کا حکم دیا کرتے تھے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں
 آتا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

من صام رمضان ایسا ناؤ
 احتساباً غفر لہ ما تقدم
 من ذنبہ
 جس نے رمضان کا قیام اللہ پر اور
 اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے
 اور اجر و ثواب کے شوق میں کیا اللہ اس
 کے سبب پچھلے گناہ معاف کر دے گا ۔

(بخاری باب تطوع قیام رمضان من الایمان)

دوسری حدیث ہے ۔

من صام رمضان ایسا ناؤ
 احتساباً غفر لہ ما تقدم
 من ذنبہ
 جس نے رمضان کے مہینے ایمانی
 خصلت اور اجر و ثواب کی نیت سے
 رکھے اس کے سبب پچھلے گناہ معاف کر
 دے گا ۔

(بخاری باب صوم رمضان احتساباً من الایمان)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

من اتبع جنازة مسلم یا نا
 واحساباً وکان معہ حتی یصلی
 علیہا ویغفر عنہ
 فانه یرجع من الاجور طین
 جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایماناً
 و احتساباً لگے اور اس کے ساتھ اس
 پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کے دُعا
 سے فارغ ہونے تک رہا وہ احد کے پہاڑ

کل قیرا ط مثل اسد الخ کے برابر بڑے درقراطوں کا اجماع کر

بخاری باب اتباع الجملۃ من ایمان واپس آئے گا

ابوسعود انصاریؒ سے آپ نے فرمایا :-

اذا انفق المسلم نفقة جب مسلمان ثواب کی نیت سے اپنی

علی اہلہ وهو محتسبہا کانت بیوی کا نفقہ پورا کرے تو

لہ صدقة - وہ بھی صدقہ ہے -

(بخاری کتاب النفقات ص ۸۵)

ایمان و اعتقاد کی یہ کیفیت مسلمان کے ہر عمل پر طاری ہونی چاہیے اور اس کی نگاہ ہر وقت آخرت کی زندگی پر جمی رہنی چاہیے کہ اسے وہاں اس کام کا کیا اجر و ثواب ملے گا اور اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کی رضا و مرضی و شہود کی کا نتیجہ اور ثمرہ سمجھنا چاہیے۔ کہ میرے پروردگار مجھ سے راضی ہو کر اپنی منایات سے مجھے نوازیں گے۔ کیونکہ ہر عمل کی اہمی روح اس عمل کا خاص ذات الہی کے لئے کرنا ہے۔ اور اس بزرگوار ثواب مرتب ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی الہی تعلق کی کمی بیشی کے مطابق ہوتا ہے۔ کہ اعمال کی اصل عظمت اطوار الہی کی پیروی و امتثال ہے۔ غرض اسلامی زندگی کا ہر عمل امر الہی کی عظمت سے متاثر اور اندر اندر خودی زندگی کے نتائج کا حامل ہوتا ہے اور مسلمان ہر عمل اس تصور کو سامنے رکھ کر کرتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس کا نتیجہ آخری زندگی میں مجھے ملے گا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے امر و نہی کے وقت ایمان باللہ و ایوم الآخر کی یاد دہانی کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا :-

کسی عورت کو جو اللہ اور یوم

آخرت پر ایمان لائی ہر سوا اپنے

خاوند کے تین روز سے زیادہ

لا یحل لامرأة تو من

باللہ والیوم الآخر تحلی

میت فوق ثلاث الا علی

زوج ابعثه اشعر وعشراً سوگ جاڑ نہیں، خاوند پر چار ماہ

(بخاری باب تبس احادیثیہ بالصحب) دس دن تے سوگ ہے

کہ جب ایمان بالحدیث کی غیبت مسلمان کے قلب میں رسوخ کرتی ہیں اور جب اعمال کے نتائج کا سماں یوم آخرت کے وہیمان سے مشتمل ہو کہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ تو امر الہی پر عمل پسند ہوئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

اور علم کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اندرون قلب پر فیضانِ الہی ہوتا ہے تو ایمان قلب میں رچ جاتا ہے اور نبوت کا ہر قولِ نبویؐ کی ظاہری دلیل کے حقیقت بن کر نبوی زندگی کی لہریں بندہ عزمین پر کشادہ کر دیتا ہے اور رسوخ فی اہم سے مراد بھی قلب میں یقین کا اس طرح پیوست ہو جانا ہے کہ نبوت کا ہر قولِ عربی حقیقت معلوم ہونے لگے۔ گویا علم ایک نور ہے جو انسانی قلوب پر بارگاہِ خداوندی سے ڈالا جاتا ہے۔ اور جس کی روشنی سے قرآن و سنت کی حقیقتیں منکشف ہو کر انسان کو کلامی زندگی پر عمل پیرا کر دیتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی امانت سے مراد توحید کے علاوہ یہی علم و نور ہو۔ (وللہ اعلم)

ان الامانة فزلت في جذور امانت لوگوں کے قلوب کی جڑ میں

قلوب الرجال ثم علموا من اتارہی صحتی۔ پھر انہوں نے قرآن

القرآن ثم علموا من السنة۔ کے علم کو جانا پھر سنت کو جانا۔

(بخاری باب اذا اتى من فضل جلالہ من الناس)

(جلد دوم)

کہ قرآن و سنت کا علم محض پھنسا پڑھا نہیں۔ بلکہ ایک نور ہے جو شکوہ نبوت کے ذریعے صادر کیا گیا۔ اور جس کی اصل الہی فیضان ہے۔

جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔

ليس العلم بكثرة الرواية كثرة روايات کا نام علم نہیں ہے بلکہ

وانما العلم نور يضيءه وہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف
اللہ في قلوب الرجال سے لوگوں کے قلوب میں ڈالا

جاتا ہے۔

ترسے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ لرزی نہ صاحب کثافت

قلوب میں جب یہ نور ڈالا جاتا ہے تو علم کی عظمت قلوب پر طاری ہو جاتی ہے۔
اور وہ متغایر ہو جاتے ہیں ان میں خفیت و خشوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جوں جوں یہ نور
بڑھتا جاتا ہے خفیت الہی بڑھتی جاتی ہے کہ اے علم کی حقیقی نسبت اللہ عزوجل کی ذاتِ عالی سے
ہے۔ اور اس نسبت کی وجہ سے وہ اس جلال و عظمت کا حامل ہے جو پہاڑوں کا پتا
پانی اور چٹانوں کی سختی کو سرد مہ بنا دے۔

لو انزلنا هذا القرآن على جبلٍ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ
لرأيت خاشعاً متصدعاً پر نازل کرتے تو (وہ مخاطب) تو اس
من خشية الله کو دیکھا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور
(الحشر - ۳) پھٹ جاتا۔

(ترجمہ ام سمانویؒ)

اور یہی وجہ ہے کہ عظمت الہی کے دیرینہ رازداروں (فرشتوں) پر جب (ملاء
اعلیٰ میں) امر الہی کا وقوع، وحی الہی کے تکلم سے ہوتا ہے تو اس کی ہیبت و عظمت سے ان
کے قلوب پر وحشت چھا جاتی ہے۔ اور ڈبکتے ہیں۔ جب کچھ دیر بعد ان کے قلوب سے یہ حالت
دور ہوتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں۔ تمہارے رب نے کیا کہا؛ کہتے ہیں حق کہا! اور وہی
علیٰ اور کبیر ہے۔ اس کا ذکر قرآن حکیم نے اس آیت میں کیا ہے۔

حتى اذا فرغ عن قلوبهم حال نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب علی

قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ .

بخاری صفحہ ۸۰ . جلد دوم کتاب التفسیر
باب قوله فرغ من طوبیہم

(فاذا هو محمدا الوجه لفظ)

(بخاری صفحہ ۷۲۵ - جلد دوم و

صفحہ ۷۲۰ . جلد دوم باب نزول القرآن

من صفوان بن علی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ :-

ولقد رأيتہ ينزل عليه الوحى

فى اليوم الشديد البرد فيقسم

عنه وان جبينه ليغصد

عرقا - (صحيح بخاری باب کيف

كان ينزل الوحى صفحہ ۲۰۲ جلد اول)

اور اول امر الہیہ کے علم کی یہی ہیبت تھی جس کی تاب نہ لاکر پہاڑوں، آسمانوں اور
زمین نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا، کہ اول امر الہی کے ظہور و علم کی امانت کا تحمل ہونا
ان کے لئے ممکن نہ تھا۔

(فاعلمنا الا مانا على

السموات والارض والجبال

فابین ان يحملنها واشفقن

منها وحملها الانسان

ہر جب فیضانِ علم الہی کا فیضانِ وحی کی صورت

میں ہوتا تھا تو فطرت شدت سے چہرہ مبارک رخ

ہوجاتا اور سانس کی آواز نیز ہر جاتی .

اور یہ حالت کچھ دیر بعد تک رہتی تھی .

میں نے سخت سردی کے دن آپ پر

وحی کو اترتے ہوئے دیکھا تھا کہ وحی

کا نزول بند ہوا اور (شدت) وحی سے

جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا .

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بہ منزلہ

امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور

پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سوائیوں

نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا

انہ کان ظلوٰ ما جھولا ۛ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس
(الاحزاب - ۹۰) کو اپنے ذمے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل

ہے۔
علم الہی کی یہی عظمت تھی جس کا قرآن کی صحت میں نزول انسان کے بدن کو عاجزی و ہیبت کی

دور ہے

چنانچہ قرآن نے کوہی دی۔

اللہ نزل احسن الحدیث کتباً اللہ تعالیٰ نے اپنا عمدہ کلام نازل
متشابہا مثالی تفسیر مت فوایہ جو یہ کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی
جاود الذین یخشون ربہم ثم ہے بار بار وہ ہر اُن کی ہے جس سے
تلیں جلودہم وقلوبہم ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے
الی ذکر اللہ ہیں۔ بدن کا سب اٹھتے ہیں۔ پھر ان کے
(النمر - ۳) بدن اور دل نرم (اور متکاہ) ہو کر اللہ

کے ذکر (یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ سلف (یعنی صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت
نہ کسی پر بیہوشی طاری ہوتی تھی۔ اور نہ کوئی چلتا تھا۔ صرف روک کر تے تھے۔ اور ان کے بدن پر رونگٹا
کھڑ ہو جاتا تھا۔ ان کے پوست اور قلوب نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔
(یعنی اکثرہ حالت ہوتی تھی) - (رواہ ندرین تیسیر ص ۸۶) منقول از حقیقت

الطریقتہ امام تھانویؒ ص ۲۷

صحابہؓ کی یہی حالت تھی کہ قرآن کی ہیبت ان پر چھائی رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت
جبریلؑ ان سے یہ کہتے ہیں۔

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یقیناً مرنی انصاف بالطور فلما بلغ
 هذه الآية ام خلقوا من غیر شیء
 امرهم الخالقون ام خلق الله
 والادراض بل لا یوقنون (۱)
 عندہم خزائن ربک امر
 هم المصیطرون کاد قلبی بطیر
 بخاری منک ج ۲ کتاب التفسیر
 کے خزانے ہیں۔ یا یہ لوگ (اس کے حکم نہوت کے) حاکم ہیں ۱۷ تو مراد دل اٹھنے

لگا
 گویا حضرت جبرائیل مطہرؑ پر ان آیات کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ ان کا دل خوف کی
 وجہ سے اڑنے لگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن اونٹ پر سوار کسی گلی میں سے گذر رہے تھے کہ
 کسی گوشے سے اس آیت کے پڑھنے کی آواز آئی۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهُ
 مِنْ دَافِعٍ۔

(سورہ طہ - ۱)

اس آواز کا سننا تھا کہ ہوش اُڑ گئے اور بیہوش ہو کر اونٹ سے گر پڑے اور مدت تک گرنے
 کی تکلیف سے بیمار رہے (مکتوبات امام ربانی سرسندیؒ مکتوب ص ۳۷)

عبد اللہ ابن شداد کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پیچھے آخری صف میں نماز پڑھ رہا تھا
 اور اس جگہ حضرت عمرؓ کی شدتِ گریہ کی آواز آرہی تھی۔ اس وقت آپ یہ آیت پڑھ
 رہے تھے۔

اوامر الہی کی عظمت تھی۔ جس کے بیوت سے صحابہ کے رنگ اڑ جایا کرتے تھے۔ حیدر کوثرؑ کا نماز کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس تکمل آسمان اور زمین اور پھاٹہ نہ کر سکے اور اس سے ٹھگے۔ مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں (کرکراؤ اور الہیہ کی امانت میں اہم ترین نماز ہے)۔

(اسوہ صحابہ ص ۲۸ ج ۲ بحوالہ کتاب الموع ۱۳۲، نیز

یکھیاے سعادت واحیاء العلوم امام غزالیؒ)
علم الہی کا جو تجزیہ صحابہؓ کو اوامر الہی کی صورت میں قرآن و حدیث نبویؐ ص نے دیا تھا اس کی یہی عظمت تھی جس نے انہیں سراپا مل بنا دیا تھا وہ جانتے تھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دنیاوی کامرانی اور اخروی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ صحبت نبویؐ کے اثر سے ان کا علم یقین کی اس منزل تک جا پہنچا تھا کہ غائب ان کے حاضر اور مستقبل حال بن چکا تھا۔ وہ ان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبوی علم سے بھی متعلق کی پردہ کشائی فرمائی تھی ان پر ان کا یقین اس قدر تھا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن مالکؓ سے پوچھا کیا حال ہے۔ بولے خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ بولے دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ گویا خدا کا عرش مجھے علانیہ نظر آتا ہے۔ گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے ملتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے حقیقت کو پایا۔ اب اس پر قائم رہو۔

(اسوہ صحابہ ص ۱ ص ۱ جلد اول بحوالہ

اسد الغابہ تذکرہ حارث ابن مالک)

شاید علم کی یہی حقیقت تھی جس کے متعلق ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

(اِنَّمَا اَشْكُوْ بَيْتِيْ وَهٰذَا اِلٰى اللّٰهِ اِسْحٰ)

(بخاری تعلیقا باب اذا بکی الامام فی الصلوة)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بڑے گریہ نزاری کرنے والے شخص تھے خصوصاً جب کہ آپ تلاوت قرآن کرتے تو گریہ ضبط نہ کر سکتے۔

(ازالۃ الحنا بحوالہ بخاری)

علم الہی وقرآن و حدیث کی یہی عظمت تھی جو قرن اول کے ایک ایک فرد پر چٹائی ہوئی تھی۔ وہاں رسالت سے حکم الہی کا جو نہی صمد و رتواتھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حکم کو پوری عظمت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اس کے پابند ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب انہیں کسی شوق ذریعہ سے اس چیز کا علم ہو جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو کیا ہے۔ یا کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو بے چون و چرا فوراً اسی پر عمل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ تو براہین عاظمیٰ صحابی سے روایت ہے کہ حضورؐ نے پہلی عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف پڑھی۔ آپ کے ساتھ ایک شخص نماز پڑھ کر نکلے اور ان کا گنبد ایک دوسری مسجد پر ہوا وہاں نماز پڑھی تھی۔ (نہیں ابھی تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع کی حالت میں تھے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔

اَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ
مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ اللّٰهِ كَوَافًا بَنَّا كَمَا كُنَّا
كَرَّمْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَبْلَ مَكَّةَ
مَكَّةَ كِي طَرَفِ نَمَازِ پڑھی ہے۔

اس مسجد کے نمازیوں کو جو نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا علم ہوا۔

فَذَادُوا كَمَا هُمْ قَبْلَ (البیت)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۲۷)

جس حالت میں تھے اسی حالت میں خاندکیہ کی طرف پھر گئے۔

اسی طرح جب حیرت شراب کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْ
لَامُ وَخَبِيرٌ عَنِ الشَّيْطَانِ
فَاجْتَنِبُوا كَلًّا كَذَلِكَ تَفْهَمُونَ

اے ایمان والو! شراب اور جوڑا اور
چڑھاوے کے بت اور پانے گندے
کام ہیں۔ شیطان کے سوا ان سے
بچتے رہو، شاید تم سارے سمجھا ہو۔

(مائدہ - ۱۲)

تو بعض صحابہ نے چلا کر کہا۔ خمدنذا! ہم باز آ گئے۔

(سیرت النبی ص ۱۵۷ جلد دوم بحوالہ ابو داؤد کتاب الاشرار)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ ابن الجراح و ابو طلحہ اور ابی
ابن کعب کو کھجور کی شراب پلورہ تھا کہ ایک آنے والے نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی۔ یہ سن کر ابو طلحہ
نے کہا۔ انس اٹھو۔ اور شراب کو گرا دو۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ پس میں نے شراب بہادی۔

(صحیح بخاری باب نزل تخمیر الخمر)

اندازہ کیجئے کہ صحابہؓ پر اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کس قدر عظمت
چھائی ہوئی تھی۔ کہ شراب کا دور چل رہا ہے۔ مجلس جمی ہوئی ہے کہ ایک آدمی آنا کہہ دیتا ہے
کہ شراب حرام ہو گئی۔ اسی وقت مراجم و جام توڑ دیئے جاتے ہیں۔ بادۂ ناب کے خم زمین پر
بہاؤے جاتے ہیں اور اس مدینہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر طرف گلیوں میں شراب کے خم ہٹے
جا رہے تھے اور شراب پانی کی طرح زمین پر بہہ رہی تھی۔

(سیرت النبی ص ۱۵۷ ج ۲ بحوالہ بخاری)

اللہ اللہ! امر الہی کی کس قدر عظمت تھی کہ علم کے آتے ہی سراپا اعلیٰ تھے۔

الایمان الیقین کلمہ ایمان یقین کامل کا نام ہے۔

(صحیح بخاری ص ۶۔ ج ۱)

کہ علم جب قلوب میں رسوخ پاتا ہے۔ تو یقین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ علم و یقین جب قلب و ذہن میں خوب پختہ ہو جاتا ہے تو عین یقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو علم کی غایت قصویٰ ہے۔

یقین ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ وہ ان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے ہر کلمہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ہونی حقیقت اور انٹ فیصلہ سمجھا۔ اور حضور علیہ السلام کے ہر قول پر سر تسلیم خم کر دیا۔ یہی یقین ہے جس سے ایمان کی تمام شاخیں پھوٹی ہیں اور خوف ورجاء کی جو کیفیتیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طاری ہوتی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ایک پرندہ سے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ فرماتے لگے کہ کاش میں بھی تیری طرح پرندہ ہوتا۔ کہ تو جہاں چاہتا ہے اڑتا پھرتا ہے ورنہ توں پر بیٹھا ہے پھل کھاتا ہے اور تجھ پر کوئی عتاب نہیں۔

(ازالۃ الخفاشہ ولی اللہ صاحب)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادل اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا (کہ میں حساب قیامت سے بچ جاتا)۔

یقین کی یہی کیفیتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں۔ انہیں یہ یقین کامل تھا کہ جو سزا و جزا کسی عمل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔ وہ مل کر رہے گی۔ اس جذبہ و یقین نے انہیں بے قرار کر دیا تھا۔ کہ اوامر پر عمل کریں اور منکرات سے بچیں اور اسی یقین کی وجہ سے ان کے اعمال پر ایمان و اعتقاد کی روح طاری ہوتی تھی۔ کہ ان اعمال کا رضاء اے الہی کے نتیجے میں جو اجر و ثواب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا۔ اس حقیقت نے اعمال خیر پر انہیں
 حوصلے اور اعمال شر سے مجتب کر دیا تھا کہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا فائدہ معلوم
 نہ ہو تو وہ اس کی طرف اتنی توجہ نہیں کرے گا جتنا کہ اس کی قدر و قیمت کے معلوم ہونے
 کے بعد اس کا اس میں انہماک ہو گا۔

یہی ایمان و احتساب کی حقیقت ہے۔ جو تمام تخریب و فضاہل اور تریب کی احادیث
 پر چٹائی ہوئی ہے۔ انسان کے اس دنیا میں اس قدر انہماک بڑا سبب بھی یہی ہے۔ کہ وہ
 اس ذلیل دنیا کی ظاہری ذریعہ و ذینت کی وجہ سے اسے قیمتی سمجھتا ہے۔ کہ اس بے وقت
 عالم کی وقت جب ظاہری شوکت کی وجہ سے قلوب پر چٹائی ہے۔ تو یہی دنیا مبلغ علم اور
 غایت رفعت سمجھتی ہے۔ لیکن جب اس کے مقابلے میں اخروی زندگی کی حقیقی قدر و
 قیمت والی چیزوں کے قیمت ایمانی روشنی سے دلوں پر منکشف ہوتی ہے۔ تو یہ دنیا ذلیل
 ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان اپنی پوری قوتوں کو ان وقیعہ قیمتی چیزوں کے حصول کے
 لئے فزع کر کے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ ابدی کامیابی و نجات ہے۔

امام بیہقی نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
 فَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ أَنْ تَقْدِرَ بِهِ يَشْرَخَ صَدْرُهُ

لَا سَلَامَ ۝

اللہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے

لئے کشادہ کر دیتا ہے۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور (ایمان) جب قلب میں داخل ہوتا ہے۔
 تو وہ کنوارہ ہو جاتا ہے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت
 اور نشانی بھی ہے۔ فرمایا۔ (ہاں) اس دھوکے کے گھر (دنیا) سے (دل کی) علیحدگی

اور دارالخود کی طرف توجہ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔

(مشکوٰۃ شریف)

عقبت کی باقی رہنے والی اور قیمتی چیزوں کی یہی قدر و منزلت اور دنیاوی فانی چیزوں کی بے قدری پیدا کرنا نبوی طریقہ و تعلیم کا ہدایت کا ایک اہم حصہ ہے۔ کہ جب یقین کسی چیز کے فائدہ مند ہونے کا دلوق پیدا کر دے تو اس کے حصول کے لئے توجہ و تڑپ یقیناً زیادہ ہوگی۔ اور اس طرح ذہنی اور نفسیاتی طور پر عمل کی راہیں انسان پر آسان ہو جائیں گی کہ علم کا مقصد ہی عمل ہے۔ اور عمل کے بغیر علم ظلمت و جہل ہے۔ جس کی حقیقت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس کا فائدہ نہ ہو۔

(عوذ بک من علم لا ینفع)

(ابن ماجہ ص ۲۷)

سعدی بنوئے نقش ددئی راز لوح دل

علمی کہ رہ حق نہ نماید جہالت است

صحابہؓ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم (جو عین علم ہے) کی جب دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔ جب تک کہ اس پر عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے۔ جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے۔

(ردالمحتار ص ۵۳ بحوالہ تفسیر قرطبی ص ۳)

(جلد دوم)

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں

سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک کہ ان کے منہ اور ان پر عمل نہ
سیکھ لیتا تھا ۔

(معارف النفا بحوالہ تفسیر ابن جریر ص ۲۹ ج ۱)
غرض دین میں مطلوب وہی علم ہے جو ہم پٹیل کی راہیں کشادہ کر سکے کہ کسی چیز
کے جاننے کا مطلب صرف جاننا ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی بلند مقصد کی جستجو کے لئے کسی
چیز کو جاننا جاتا ہے۔ اسی طرح علم کی حیثیت ایک نور یا چراغ کی ہے جس سے راستہ
کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور راہِ خمپر کونسی ہے۔ عاقل
وہی ہے جو اس نور کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر چلنا شروع کر دے جو یہ بھی منزل
مقصود تک پہنچتی ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں جو اس سبب و آرام
کے راستہ کو چھوڑ کر جاننے کے بعد ایسی راہ ضلالت پر ہو لے جس کا انجام قصیر
ہلاکت ہے۔ (نحوذ باللہ منہ)

جب میلووم ہو چکا کہ علم کا مقصود اصلی عمل ہے۔ اور عمل کے لئے
لازم نہیں کہ کتابی تعلیم ہی دی جائے۔ بلکہ اگر زبانی تعلیم ہی عملی صلاح کا دروازہ ہم پر
کھول دے تو علم کا مقصد حاصل ہو گیا چنانچہ قرونِ اولیٰ میں کتابی تعلیم پر اتنا زور
نہیں دیا جاتا تھا۔ جتنا علم کی حقیقت اور اس کی تاثیر و نتیجہ خمیسندی پر دھیان
کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ارشاداتِ نبویؐ کا گواہِ ٹھہر تحریر میں آچکا تھا تاہم
متداول طریقہ زبانی تعلیم و تعلم کا تھا۔ کہ جو باتیں انسان زبانی یاد کرتا ہے۔ وہ محفوظ
ہمارست سے قلب میں پورست ہو جاتی ہیں اور عمل کا پیش خمیہ ثابت ہوتی ہیں جب
کہ کتاب پر ان کا بھروسہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے اور لبا اوقات یہ کتابی
نقوش یا بس، علمی جہود کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ایسی امت کے
لئے جس کے ہر فرد پر علم کا حصول فرض کر دیا گیا ہو۔ نوشت و خواندگی سہولتیں بہم

پہونچائی بھی ایک حد تک مشکل ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں بجائے کرم کتابی بنانے کے زبانی تعلیم و تعلم ہی بہتر ہے۔

اعلم الناس نبی ائی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص صفت تعلیم بھی تھی۔ لیکن جیسا کہ اس آیت

سے ظاہر ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ لِيَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ .

(المجموعہ - ۱)

وہی ہے جس نے عرب کے انخواند لوگوں
میں ان ہی اکی قوم میں سے (یعنی عربیوں
سے) ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ
کراتے ہیں۔ اور ان کو خدا کا باطلہ و غلطانہ دیمہ
سے پاک کرتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور
دانشمندی (کی باتیں) کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ بات روشنی کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ائی ہونا فخر تھا
اسی طرح اپنے عرب کے "امیوں" کو بھی کتابی نوشتہ و خواندہ سے تعلیم نہیں دی۔ بلکہ زبانی تعلیم
کا وہ طریقہ ہدایت رائج فرمایا جس نے تمام عالم کو علم کی روشنی سے نور کر دیا۔ صحابہ رضہ جو کچھ آپ
سے قولاً و عملاً سیکھتے تھے۔ اسے یاد کرتے تھے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال کر دوسروں
کو یہ علمی روشنی پہنچاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ باہم مذکورہ و تکرار سے علم بڑھتا تھا۔ عمل
پختہ ہوتا تھا۔ اور اس کی نورانیت پھیلتی جاتی تھی۔ اس دور میں کتابی دور کی حیثیت مددگار و
معاون کی سی تھی۔ جو علم و عمل کی عملی درگاہوں میں بوقت ضرورت کام آتا تھا۔ لیکن جو
جو زمانہ رسالت سے بعد ہوتا گیا۔ کتابیں بڑھتی گئیں۔ زبانی تعلیم و تعلم، علمی رشد و ہدایت
اور تاثیر و تاثر کم ہوتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم کا وہ فیضان جو بالمشافہ اخذ و طلب سے حاصل
ہوتا تھا۔ اور اس کی وہ پہلی سی افادیت باقی نہ رہی۔

امام اندلسی کا قول ہے۔

کان هذ العلم شيئاً شريفاً
 اذا كان من افواه الرجال
 يتلاقون ويتذاكرون فلما
 صار في الكتب ذهب نوره و
 صار الى غير اهلهم
 (تدوينِ حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی)
 بجاہ جامع بیان العلم ص ۹۸ ج ۱)
 حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس
 وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل
 کیا جاتا تھا۔ لوگ اسے ایک دوسرے سے
 مل کر لیتے اور آپس میں مذاکرہ کرتے رہتے
 تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں
 میں درج ہو گئیں اس کا نور ادراس کی
 رونق جاتی رہی۔ اور ایسے لوگوں میں پہنچ
 گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

متقدمین کی علم کے لئے کاوش و جستجو اور ایک ایک حدیث کی تلاش میں صد مائیل کا سفر
 اس چیز پر دلالت کرتا ہے۔ کہ انہیں علم کے حصول کا کس قدر شوق تھا۔ اور جب ان صورتوں کے
 بعد انہیں علم کا کوئی حصہ ملتا آتا تھا۔ تو اس کو خرز جان بناتے تھے۔ بخود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے
 اور دوسروں تک یہ دولت پہنچاتے تھے۔ لیکن جوں جوں کتابی علم عام ہوتا گیا۔ کہ کب کتابی نور بڑھ
 گئے۔ لیکن جو پھر علم کے متلاشی کم ہوتے گئے۔ کم طلب ادراس کم کوشش نا اہلوں تک علم کتابی جا
 پہونچا۔ تو منفر و پورست پوری قنوت کر بیٹھے۔ رفتہ رفتہ کتابیں پڑھ لینا ہی علم مشہور علم کی روح
 و خصت ہو گئی علم کا مقصد بجلادیا گیا۔ علم کا منفر الفاظ کی وسعتوں میں پنہاں ہو گیا۔ اور اس
 کے نتائج مفقود ہو گئے۔ اب اس میں علم جن معنوں کا جامع تھا۔ ان کی حقیقت کتابوں کے
 صفحات میں کم ہو کر رہ گئی۔ علم جو تنابڑھتا تھا خشیت بڑھتی تھی (جیسا کہ حدیث میں ہے
 انالعلم کم باللہ واخشا کم اللہ) اب اندرونی کیفیتوں کے فقدان کی وجہ سے
 حجاب بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ صوفیاء کو کہنا پڑا۔

العلم حجاب اکبر

اس دفتر بے معنی غرق نے ناب اولی

وہی علم جس کا ایک ذرہ قلب انسانی کو چھو تک دیا کرتا تھا۔ مدارس و مجالس کی گرم گفتاری کا ذریعہ بن کر رہ گیا۔

عشق کی تیغ جگر وار اڑالی کس نے

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اسے ساتی

آج ان تمام تلخ حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں مسلمانوں میں علم کا انہی کیفیتوں اور معانی کے ساتھ احیا کرنا ہے۔ جو قرن اول میں عل کا ذریعہ بنی تھیں۔ کہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ بلکہ لفظ علم کی اسلامی حقیقت اپنے اندر علم و عمل دونوں کو سمائے ہوئے ہے اور دور اول میں علمی کیفیات اور کام کر دہ کیوں پر بھی لفظ علم کا اطلاق کیا جاتا تھا۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ نے حضرت عبادہ ابن حارث رحمہ کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے مشہور تابعی حضرت جبر رحمہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ:-

ان شئت لاحد شک باول	اگر تم چاہو تو میں بیان کروں کہ پہلا علم جو
علم ینفع من الناس اخشوع	لوگوں سے اٹھایا جائے گا جنشوع ہو گا
یومئذ ان یدخل مسجد الجامع	اور قریب ہے کہ تم مسجد جامع میں داخل
فلا تری فیہ رجلاً خاشعاً	جو اور دباں ایک شخص بھی نہ
(جامع ترمذی جلد دوم باب ماجاء فی ذہاب)	پاؤ۔

العلم

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ ”خشوع“ پر علم کا اطلاق کرتے تھے حالانکہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق خشوع علم یعنی جاننا نہیں ہے۔ بلکہ ایک عملی کیفیت ہے جس کا مطلب بدن جھکانا، آواز پرت ہونا، اور قلب میں خوف کا پسید ہونا ہے۔ (لسان العرب) اور سب جانتے ہیں کہ یہ عملی کیفیات ہیں

آج مسلمانوں کے دینی احیاء کے لئے اسی علم کے ضرورت ہے۔ جو ہم میں علم
 و عمل کی دو گونہ قوتوں کو زندہ کر دے۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہماری درس گاہیں نہ صرف
 پڑھنے پڑھانے کا فریضہ ادا کریں، بلکہ ہمارے علمی حلقے اس علمی سوز و گداز کا منبع ہوں۔ جو
 ہمارے قلوب پر الہی عظمت پیدا کر کے خشیت و محبت الہی کے دو گونہ جذبات پیدا کر دے۔
 کہ عمل کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے جب علم کی عظمت دلوں پر آشوب ہو جاتی ہے چنانچہ
 دورِ اول میں بھی یہی عظمت تھی۔ جو دونوں کو عشقِ الہی ان پر سرگرم کر دیتی تھی۔ اور
 وہ عمل پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ترمذی نے حضرت عریاض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت
 کی ہے کہ :-

(عریاض ابن ساریہ) کہتے ہیں کہ ایک دن
 صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ایک طبعِ نصیحت کی صحن کی وجہ سے
 (لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے
 اور قلوب لرز گئے) ایک آدمی نے کہا یا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت و دافع
 کرتے والے کی سی درد انگیز ہے۔ آپ ہم سے
 کیا مہربانی چاہتے ہیں (تاکہ ہم اس پر عمل
 پیرا ہو جائیں) آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اللہ
 سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور ا میر
 کی تابعداری کی اگرچہ وہ ایک حبشی غلام
 کیوں نہ ہو۔ تم میں سے (میرے بعد)
 جو زندہ رہا تو وہ بہت اختلافات دیکھے

گا۔ پس (نفس) دین میں نئی باتوں سے
 بچنا کہ یہ نگرانی ہے پس جس نے تم میں
 سے اختلافات کا زمانہ پایا اسے لازم ہے
 کہ میرے طریقہ پر قائم رہے۔ اور مطلقاً
 راشدین مہدیین کے طریقے کی پابندی
 کرے اور مضبوطی سے اس طریقہ پر تکیہ
 کو تھامے رکھے۔

اس حدیث سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ صحابہ پر اللہ اور اس کے ارشادات
 کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ وہ رد پڑتے تھے۔ اور ان کے دل لرز جاتے تھے۔ اور وہ ہکا بھٹکتے
 تھے۔ کہ ہمیں لامہریت بتائے کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں۔ اگر آج علم کی وہی عظمت عود کر
 آئے تو آج پھر اہل کاد و بازہ کھل سکتا ہے۔ علم کی عظمت اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم
 اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر کو اپنے قلوب میں بٹھائیں۔
 کہ الہی علم کا چشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ ہی سے عالم کی شادابی کا سبب
 بنا ہے۔ اور جب تک علم کے بھیجنے والے اور پانچنے والے کی عظمت ہمارے قلوب میں نہیں
 ہوگی۔ ان کے دے ہوئے علم کی قدر بھی ہم نہیں کریں گے۔ کہ دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ
 جس ہستی کو ہم جلیل القدر سمجھتے ہیں۔ اس کی بات کو بھی ہم اتنا ہی قابلِ توجہ اور قابلِ
 قدر سمجھتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے اقوال کی قدر ہمارے دلوں میں اسی وجہ سے ہوتی ہے
 کہ ان کی مستیاں اپنی عظمت کے ساتھ ہمارے دلوں پر مستولی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اگر
 ایک وہی گنوار اور ایک یگانہ روزگار عالم کی زبان سے ہم ایک ہی بات سنیں تو عالم کی علمی
 شخصیت کی وجہ سے (جس کی عظمت ہمارے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے) ہم اسی بات کو
 (جو وہی گنوار کی زبان سے بھی سنی گئی ہے) زیادہ قابلِ وقعت اور قابلِ اعتناء سمجھیں گے۔ کہ

ہماری فطرت شخصیتوں کے اثر نے کی وجہ سے ان کے اقوال کی قدر کی کمی بیشی پر مجبور ہے۔ جو ہمیشہ ہمارے ذہن میں زیادہ قوی ہو گئی۔ اس کی بات بھی اتنی ہی زیادہ قوی ہو گئی۔ اشخاص کی یہی عظمت و ہیبت ہوتی ہے۔ جو ان کے اقوال میں جان ڈال کر دنیا کے بڑے بڑے انقلابوں کا باعث بنی ہے۔ یہ سکندر و پولیس، تیمور و ٹیلمر کی ذاتی عظمت ہی کا اثر ان کے پر و کاروں پر تھا۔ کہ ان کے ایک ایک لفظ پر لاکھوں جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔ اور یہ اثر و نفوذ صرف جہان بالوں اور کشور کشاؤں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی شخصیتیں بھی جن کے اقوال اپنے اپنے علم و فن میں حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی عظمت کی حامل ہوتی ہیں اور جب کسی قول کو ان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ تو سامعین کے قلوب میں اس قول کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ غرض کسی قول و امر کی قدر پیدا کرنے کے لئے اور اس پر عمل پیرا کرنے کیسے ضروری ہے کہ پہلے اس قول کے کہنے والے اور امر کرنے والے کی عظمت و قلوب میں بٹھائی جائے۔ کہ جب امر کی عظمت و ہیبت مطلوب پر چھا جائے گی۔ تو اس کے امر پر فطرۃً عمل پیرا ہونا پڑے گا جیسے ایک پرہیزگار شیر کو آتے دیکھ کر اپنی حفاظت کے لئے فوراً گوشش کرنا ایک فطرتی خاصہ ہے۔ اسی طرح ایک حاکم و آمر جس کی ہیبت و عظمت رگ رگ میں چھا چکی ہو، اس کے امر کی فوری تعمیل بھی انسانی فطرت ہے۔ امراہی اور ارشادات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی عظمت و قوتِ اول کے مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھی جو انہیں اللہ کے ایک ایک امر پر جانیں قربان کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

آج علم اور مقصدِ علم (یعنی عمل) کے پیدا کرنے کے لئے از بس ضروری ہے کہ ہم اللہ کی عظمت و ہیبت و جلال، اس کی ہمہ گیری و ہمہ دانی، بیعت و علم اور اس کے سميع و بصير ہونے کا دبیان اس کی محبت کے ساتھ اپنے دلوں میں بٹھائیں اس کے دئے ہوئے احکام پر موقوف و وعدوں کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے

رکھیں اور اس کی نافرمانی کے انجام بد کا تصور ہر وقت ہم پر چھایا رہے اور اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ذکر الہی اور مراقبہ آخرت بہ کثرت کریں کہ اس کے ذکر کی کثرت سے اس کی ذات و صفات کا اثر ہمارے قلوب میں اس کی محبت و خشیت پیدا کرے گا اور اس کی معیت کے مقام بلند سے سرفراز کر کے ہمیں اس کے اوام پر چلا دے گا۔ اور اس کے رنگ میں رنگ دے گا۔ کہ حال معشین کا اثر یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ذکر الہی کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت آئی ہے۔

چنانچہ مشہور حدیثِ قدسی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ
عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ
تعالیٰ انا عندی عن عندی بنی ولانامہ
اذا ذکونی فان ذکونی فی نفسہ
ذکوۃ فی نفسی وان ذکونی فی
ملاذ ذکونی فی ملاذ خایہم منہم
وان تقرب تقرب
الیہ وراعا وان تقرب الی ذلک
تقرب الیہ باعاً وان اتانی
یمشی ہودلہ
رواہ احمد وبخاری مسلم والترمذی
النسائی وابن ماجہ والصبیحی۔ صحیح
مسلم جلد دوم باب الخیر علی ذکر اللہ
تعالیٰ ص ۲۹۱ جلد ۲۔

ساتھ دیا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ دوسرے
ساتھ گمان رکھتا ہے جب وہ مجھے یاد
کرتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں
پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے
تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا
ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے
تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں
کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ
ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر
بندہ میری طرف ایک بالشت قویہ ہوتا
ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف قویہ
ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا

ہے۔ تو میں دو ہاتھ ادا کر توجہ ہوتا ہوں

اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں

اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

بخاری باب قول وَّيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ

ص ۱۱۱ ج دوم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو تمام اعمال

میں بہترین چیز ہے اور تمہارے ملک کے

نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے

دوبروں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور

سورنہ چاندی کو (اللہ کے راستہ میں)

خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور اچھا

میں، تم دشمنوں کو قتل کردہ تم کو قتل

کریں۔ اس سے بھی برتر ہوئی۔ صحابہ رضی

نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپ نے ارشاد

فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

اَلَا اَنْتُمْ خَيْرُ اَعْمَالِكُمْ و

ارضاها عند مليكم ووافعها

فی درجاتکم وخیرکم من

اعطاء الذهب والورق ومن

ان تلقوا عدوکم فتضربوا

اعناقهم وایضربوا اعناقکم

قالوا وما ذاک یا رسول اللہ قال

ذکر اللہ۔

(ابن ماجہ باب فضل الذکر)

در واه الترمذی باختلاف سیر۔ ص ۱۱۱

جلد دوم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

کوئی قوم اللہ کے ذکر کرنے کے لئے نہیں

بیٹھتی مگر فرشتے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں

اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور یکینہ

ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور اللہ اپنے پاس

لا یقعہ قوم یدعون اللہ الا

حفتهم الملائکة وغطیتهم

الرحمة و نزلت علیهم

السکینة و ذکرهم اللہ

فی من عنده ،
والوں یعنی فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر
اصوح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن
(فخر یہ کرتا ہے)
وعلی الذکر

امام بخاری و مسلم نے ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا :-

مثل الذی یدکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت .
جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔ اور جو نہیں
کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے ۔
(مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل)
(کہ ذکر زندہ ہے اور غافل مردہ)

امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا :-

من تعد مقعداً لم یدکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ توق ومن اضطجع مضجعاً لا یدکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ توق
جو شخص بیٹھا اور پوری نشست میں ایک دفعہ بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حسرت ڈالی جاتی ہے ۔ اور جو شخص لیٹا اور پورے وقت میں ایک بار بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حرمان و حسرت ہے ۔
(مشکوٰۃ ص ۱۹۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

کوئی جماعت ایسی مجلس سے نہیں اٹھتی جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو ۔ مگر اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ گدھے کی مروار لاش سے اٹھی ہے اور ان کیسے بحرمان و حسرت کا فیصلہ ہوتا ہے ۔
(مشکوٰۃ ص ۱۹۸)

کہ وہ مجلس مجھ کو حسیب سے خالی ہے حسرت دیاں کے سوا اس میں کیا رکھا ہے یقیناً خالق کی یاد سے غافل مجلس ناپاکی اور گنہ گری کی ٹھکانہ ہے۔ دنیا سے یاد الہی اور اس کے یاد کرنے والوں کو علیحدہ کر دیا جائے تو ہر طرف دنیا کے سوارہ ہی کیا جاتا ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ شاید اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تكثر والكلام بغیر ذکر کو اللہ فان
كثرة الكلام بغیر ذکر کو اللہ قسوة
للقلب وان بعد الناس من
اللہ القلب القاسی
اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کر دو کہ
ذکر کے بغیر زیادہ باتیں قلب کی تورت
(مختفی) کا سبب ہیں۔ اور اللہ سے مب
سے زیادہ دودھ "قلب قاسی" ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۹۹ بحوالہ ترمذی روایت ابن عمر)

ام جلیلہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے تمام کلام (باتیں) سوا امر بالمعروف نہیں عن المنکر اور ذکر الہی کے باندہ ہیں :-

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے

کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سئل ای العبادۃ افضل درجۃ
عند اللہ یوم القیمۃ قال الذاکرین
اللہ کثیراً قال قلت یا رسول
اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ
قال لو ضرب بسیف فانی الکفار
والملشہ کیس حتی ینکسر و
یحتمسب وصال کان الذاکرین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا
کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک کن لوگوں کا
درجہ سب سے افضل ہوگا۔ آپ نے فرمایا
اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والوں کا ابی سعید
خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ کی راہ میں
جہاد کرنے والے غازی سے مجھے بڑھ کر اس
کا درجہ ہوگا۔ آپ نے (جواباً) فرمایا۔ ہاں

اللہ کثیراً افضل منہ درجۃ
(ترمذی باب ما جاء فی فضل الذکر و مکوۃ)
اگر گناہ و مشرکین کے ساتھ تلوار سے
اتناڑے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں
رنگ جائے۔ تب بھی اللہ کا بکثرت ذکر
کرنے والوں کے درجے اس سے
افضل ہوں گے۔

کہ جب جہاد و قتال کا مقصد بھی اعلا و کلمۃ الحق اور ذکر الہی ہے تو مقصد میں صورت ذیلیہ و
سبب سے مافوق ہے۔ ذکر الہی دلوں کو کھولتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا سے
معلوم ہوتا ہے۔

اللہم افتح اقلوبنا یا اللہ کھول دے قلوب ہمارے دلوں کے
بذکرک۔ اپنے ذکر سے

ذکر سے قلوب کا رنگ اتر جاتا ہے۔ گناہوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں اور دل انوار الہی
کے قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

امام بیہقی رحومات کبیر میں عبد اللہ ابن عمر رضی سے روایت کرتے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انما کان یقول لکل شیء صقالة
وصقالة القلوب ذکرا للہ وما من
انجی من عذاب اللہ من ذکرا للہ
قالوا کمالا لہما د فی سبیل اللہ
قال ولا ان یضرب بسیفہ
حتی ینقطع۔
(مکوۃ - ص ۱۹۹)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔
کہ آپ فرماتے تھے۔ ہر چیز کو صیتل کرنے
اور چمکانے والی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو
صیتل کرنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ اور عذاب
الہی سے کوئی چیز ذکر الہی سے زیادہ نجات دینے
والی نہیں۔ صحابہ نے عرض کی چہاں فی سبیل
اللہ بھی اس سے زیادہ نہیں؟ آپ نے
فرمایا اگر اپنی تلوار سے اتناڑے کہ تلوار

ٹوٹ جائے تاہم ذکر الہی زیادہ نجات دینے والا ہے۔

ذکر ماسوا کے تعلقات قطع کر کے خالق سے بندے کا رشتہ جوڑ دیتا ہے۔

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِلْ اِلَيْهِ
اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور
تبتئلا ۛ
سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ

رہو۔

(الزل-۱)

ذکر الہی دلوں کا چین، قلوب کی راحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے :-

وَيَهْدِي اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ
جو شخص ان (اللہ) کی طرف توجہ ہوتا ہے۔
الَّذِينَ اٰمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ
اس کی اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں۔ مراد
يَذْكُرُ اللّٰهُ هَ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ
اس سے وہ لوگ میں جو ایمان لائے اور
الْقُلُوبُ .
اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان

ہوتا ہے۔ خوب سمجھو کہ اللہ کے ذکر سے

(السرعد-۴)

دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

ذکر کی یہی گونا گوں صفات اور کیمیائی اثرات تھے جس نے صحابہؓ کی زندگی کو سربا پاؤں کر بنا دیا تھا۔ وہ چلتے پھرتے، بیٹھے اور لیٹے خیالی محبوب میں مست اور اس کی یاد میں رطب اللسان تھے انکی رزم و نرمی کی محفلیں نام حق سے گونج رہی تھیں۔ ان کے کاشانے آرام گاہیں، مکان و دکانیں بازار و فخر گاہیں، باد حبيب سے عطر میز تھیں، ان کی خلوتیں اسی کے دھیان سے معمور اور ان کی جلوتیں اسی کے تذکروں سے آباد تھیں۔ ان کی راتیں جمالِ مدست سے روشن اور ان کے دن اسی کی تجلیوں سے میور تھے۔ ان کے قلوب جلوہ الہی سے معمور اور ان کی نگاہیں کیفِ عشق سے معمور تھیں۔ زبانیں سبح کناں۔ اعضا و جوارح عظمت الہی سے پر خروش اور حسیں الوار الہی سے مستور تھیں۔ ان کی تجارتیں انہیں ذکر حق سے غافل نہیں کرتی تھیں اور ان کے کاروبار

ان کی ظنی ظنوں میں باز نہیں پاتے تھے :-

ایسے لوگ جن کو روبرو اور خرید و فروخت
کا شغل یاد الہی سے غافل نہیں کرتا

وَجَالٍ لَا تُلَهِیْهُمْ تِجَارَةٌ
وَبَيْعٌ عَمَّنْ ذَكَرَ اللّٰهُ ط

(نور - ۵)

ذکر دوام سے ان کے دل زندہ تھے۔ ان کی رفتار و حرکت اور ان کا آرام و سکون الہی
نعموں سے پر مشروط تھا۔

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ط

خدا کو اٹھتے۔ بیٹھے
اور پٹے یاد کرتے

(آل عمران - ۱۰)

آرام گاہوں کو چھوڑ کر جمال یار کی کیف انگیز خلوتوں کے طالب اپنی لڑلوں کو اسی کے جلو
سے آباد کیا کرتے تھے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ
الْمَضَاجِعِ يَذْكُرُونَ رَبَّهُمْ
خَوْفًا وَطَمَعًا ط

جن کے پہلو درات کو، خواب گاہوں سے
علیحدہ رہتے ہیں وہ خوف و امید کے ساتھ
اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

(السجدہ - ۲۰)

اللہ کے ذکر میں یہی کیفیت ہے۔ جو اللہ کے ماننے والوں کو ہر وقت اسی کے دھیان
میں لگن رکھتی ہے۔ اور ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ اللہ کا خیال بندہ پر اس طرح طاری رہے
کہ ہر وقت الہی معیت و حضور کا یقین اور اللہ عزوجل کے حاضر و ناظر ہونے کا ایمان اسے تمام
معاصی سے مجتنب رکھ کر تمام ادا امر الہیہ پر چلا کر رضائے مولا سے ہمکنار کرادے کہ
اللہ کا چاہنے والا اپنے محبوب کو سامنے دیکھتے ہوئے اس کے کہنے کے خلاف نہیں کر
سکتا۔ اور اس کے حکم سے انحراف اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے جس کی نگاہیں

تمناٹائے جمال سے بروقت روشن ہوں۔ وہ خلوت و جلوت میں معاہدہ کی ظلمت سے دودھ ہی رہے گا اور رضائے حبیب کی طلب میں اس کی زندگی سراپا مدعا سے دوست بن جائے گی۔ اور اس کی ہر حرکت اسی سے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔

وما تقرب الی عبدی بشئ
احب الیّ مما افترقت علیہ
وما یزنا عبدی یتقرب الیّ
بالنوافل حتی احببته فلننت
سمعه الذی یسمع بہ و
بصرہ الذی یرى بہ ویدہ
القیبطش بہا ووجلہ التی
یمشی بہا۔

میرا بندہ جو چیزیں مجھے پسند ہیں ان میں
فرشتوں سے زیادہ کسی چیز کے ذریعہ میرا
قرب حاصل نہیں کرتا اور میرا بندہ نوافل
کے ذریعہ قرب کے نگارہ مراتب طے کرتا
رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت
کرنے لگتا ہوں پس میں اس کے کان
بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اسکی
آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔
اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا
ہے۔ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں
جن سے وہ چلتا ہے۔

(صحیح بخاری باب التواضع صفحہ ۹۶۲ ج ۲)

مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰ بحوالہ بخاری کا من

(ابن عربیہ)

اس کی تمام زندگی الہی رنگ میں نکھر کر سیرتِ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع ہو جاتی ہے کہ سیرتِ طیبہ ہی رضائے الہی کا انتہائی مکمل نمونہ ہے اور ذاتِ پاک ہی کائنات میں اللہ بنایا ہوا اسوۂ کامل ہے۔

دین اور آئین اور تفسیر کل
عقل اور صاحب اسرار کرد
کاروان شوق اور منزل است
دربین اور حفظ تقدیر کل
عشق اور تیغ جہر وار کرد
ماہمہ یک مشرب خاکیں اور دل است

ذکر الہی اپنی ان حقیقتوں اور کیفیوں کو لئے ہوئے جب علم الہی کی روشنی میں قلب ہمن
 پر اثر ڈالتا ہے۔ تو قلب کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وہ متعاد و متاثر ہو کر طاعت الہی کی طرف متوجہ
 ہو جاتا ہے اور اس کی تبدیلی انسان پر عمل کا دروازہ کھول دیتی ہے کہ یہ دل، ہی ہے۔
 جس کی کائنات بدلنے سے انسان پر کاپلیٹ جاتی ہے۔ اور اعضا و جوارح دل کی پروی
 میں احکام الہی پر گامزن ہو جاتے ہیں اس طرح علم و ذکر کے اس امتزاج سے اس زندگی
 کی تشکیل ہوتی ہے جو الہی حمتوں نبوی برکات اور انسانیت کے اوج کمال کو اپنے اندر
 لئے ہوئے ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ دور رسالت کے بعد کی وجہ سے اسلامی زندگی ٹوٹ
 چکی ہے۔ علم و ذکر کا حقیقی حصول ہی اس زندگی کو عالم میں دوبارہ قائم کر سکتا ہے اس
 کے ضروری ہے کہ ہمارے علمی حلقوں پر ذکر کی کیفیت طاری ہو۔ دور رسالت میں
 رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر ہی علم کی عظمت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا
 آج اس کا بدل اللہ کی عظمت انوار علم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی و محبت کا دھیان
 ہے کہ جب ہم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر اور محبت و الفت
 پیدا ہوگی۔ تو ان کی بتائی ہوئی باتوں اور اوامر کی قدر و محبت بھی ہمارے قلوب میں جاگزیں
 ہوگی۔ کہ کسی قول کا وسیع ہونا صاحب قول کی وقعت پر ایک حد تک مبنی ہے اور جب
 اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و امر کی قدر و محبت ہمارے دلوں
 میں راسخ ہو جائے گی۔ تو فطرتاً ہی ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ کہ محبوب و وسیع چیز
 کے حصول کی جستجو و طلب فطرت انسانی ہے۔ اس طرح سے اس پاک و مطہر زندگی کا
 عملی دروازہ ہم پر کھل جائے گا۔ جو کائنات کے لئے سایہ رحمت
 ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقعت و عظمت کو دل میں بھانپنے

ہوئے ہیں قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم و تعلم دوس دتدیس کے لئے اپنے کچھ اوقات کو فارغ کرنا چاہئے۔ اس تحصیل علم کے لئے عملی نمونہ جس قدر زیادہ ہوگا۔ اسی قدر عمل کی راہیں زیادہ کھلیں گی۔ کہ بعض عرفا کا قول ہے۔

”قول سے قول پیدا ہوتا ہے اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے“

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دور صحابہ رحمہ میں صحابہ رحمہ اکثر مسائل کا جواب عمل سے دیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ سے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کیا گیا تو بجائے زبانی بتاتے کے عملاً اس طرح تعلیم دی کہ :-

قد عابتو ومن ماء فتوضأ لہم الخ پانی کا برتن منگو الیا اور پھر ان کے بتاتے کیئے وضو کیا :-

روایت میں ان الفاظ کے بعد آپ کے بتائے ہوئے وضو کی تفصیل ہے۔

(صحیح بخاری ج ۳۱ باب سج الاسۃ)

اسی طرح حضرت مالک ابن حویرثؓ نے ایک دفعہ اپنے ملنے والوں سے کہا۔

انکم صلوۃ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قال وذاک

فی غیر حین صلوۃ فقام ثم

دک الخ

نہیں تھا۔ پھر عملاً تعلیم دینے کے لئے نماز شروع کی (اور) قیام کیا پھر رکوع کیا الخ

اسی طرح پوری نماز پڑھ کر عملاً نماز کی تعلیم دی (زبانی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا)

(بخاری ج ۱۱ - ج ۱ باب لکث دین السجین)

دوسری روایت میں حضرت مالک ابن حویرث رحمہ نے صاف تصریح کر دی۔ کہ ان کا مقصد

نماز کے پڑھنے سے علم تعلیم دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ وہ نہ زبانی بھی وہ نماز کا نقشہ کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ

یہ ہیں :-

عن ابی قلابہ قال جاءنا مالک بن الحویث فصلی بنا فی مسجدنا ہذا فقال انی کا صلی بکم وما ارید الصلوۃ لکن ارید ان (ریکم) کیف رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی (بخاری باب کیف یعمد علی الارض اذا قام من الرکعتہ)

ابی قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک ابن حویرث ہمارے پاس آئے۔ اور ہمیں اس مسجد میں نماز پڑھائی اور پھر کہا میں نے جو تمہیں نماز پڑھائی اس سے میرا ارادہ اس کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا کہ تمہیں یہ دکھا دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔

میرا مطلب ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہمارے مکات و مدارس میں علمی تعلیم کا جو طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ دوبارہ زندہ ہو جائے کہ آنکھوں دیکھی چیز سنی ہوئی سے زیادہ موثر ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آ جاتی ہے۔

تعلیم کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کو اعمال کی جزا اہل فائدہوں سے آسما کیا جائے کہ جس قدر اعمال صالحہ کے اخروی اور ان کے ضمن میں دنیوی فائدے اس پر منکشف ہوں گے۔ فطرتاً علی پر پڑنے کے لئے اس کا ذوق و شوق بڑھے گا۔ کہ انسان خیر کا حریص ہوتا ہے جس قدر اعمال کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ ان کے حصول کی کوشش اسی قدر بڑھے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ فضائل و ترغیب کی احادیث کا بکثرت مذاکرہ کیا جائے کہ نفس ان اعمال کی لذت محسوس کرنے لگے۔ اور قلب میں ان کی محبت رچ جائے اور جوابانی

قلب و نفس کسی چیز کو چاہنے اور پسند کرنے لگتا ہے تو انسان اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح منکرات پر جو جو سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں ان کی تسخیر و تذکرہ بھی بڑائیوں سے روکنے کا ایک بڑا سبب بنے گی۔ اور بشر و تذکرہ کے اس نبوی طریقہ تعلیم سے متعلم بڑائیوں سے مجتنب ہو کر نیکیوں پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ عمومی تعلیم دین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل میں عوام کو نہ الجھایا جائے کہ اس طرح ان کی طبیعت عمل کی راہ سے ہٹ کر قیل و قال اور جدل و مناظرہ میں پھنس کر رہ جائے گی جس کا ان کے کوئی دینی فائدہ نہیں۔ مزید برآں متفق علیہ اتنے مسائل ہیں اور بے قیل و قال عمل کے لئے اتنا میدان وسیع ہے کہ ایک سلیم الطبع انسان اس پر گامزن ہو کر آسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

عمومی تعلیم دین کے لئے ہیں پھر سے مابعد میں قرن اول کی طرح علم و ذکر کے حلقے قائم کرنے ہیں کہ مدارس و خانقاہیں، عامۃ المسلمین کی دینی تعلیم و تربیت کی کفیل نہیں ہو سکتیں کہ اس مشغول زمانہ میں ہر کہ دور کے لئے مدارس و خانقاہیں کے لئے فروغ مشکل ہے اور نہ ہی اتنی کثیر آبادی کے لئے مدارس و خانقاہیں مہیا کی جاسکتی ہیں۔ دین کے ان نئے طلبہ کا رویہ نیک ہے جن کی ہمتیں اللہ نے بلند کر دی ہیں۔ مدارس اور خانقاہیں ضروری ہیں کہ علم و تزکیہ کے امام و عارف دیں سے بن کر نکلتے ہیں۔ ان اللہ والوں کی مثال اصحاب صفہ جیسی ہے جن کی پوری زندگی علم و ذکر کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ لیکن عام مسلمانوں کی پوری زندگی اس پاکیزہ کام کے لئے عملاً وقف نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ دور اول کی طرح مابعد میں تعلیم و تعلیم اور ذکر و ہدایت کے حلقے قائم کریں ہمیشہ تحصیل علم و عمل کا اہتمام کریں۔ دین کی بنیادی باتیں سیکھیں اور سکھائیں۔ ضروری مسائل کا علم حاصل کریں۔ فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہوں۔ اور

سنن و تہذیب پر چلنے کی کوشش کریں تاکہ دینی زندگی ہو کہ صدیقیوں کے جمود کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ دوبارہ عالم کو اپنی روشنی سے منور کرے ہماری ساجد مہر سے علم و ذکر کے نور سے منور اور تہذیب و دیانت کی روشنی سے چمک اٹھیں۔ جس طرح مسجد نبوی کے طالب علم عالم کے امام بنے تھے۔ اگر آج انہیں بنیادوں پر ہر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھے اس پر خود عمل پیرا ہوا اور دوسروں کو اس کی دعوت دے تو سادہ عالم مہر سے ایمانی کمروں سے جگمگا سکتا ہے صحابہؓ کے زمانہ میں ہر چھوٹا بڑا، ایر و غریب، تاجرو کا شکار، ملازم و بیوپاری ہر شخص دین کا ضروری علم رکھتا تھا کہ جب تک علم نہ ہو عمل ناممکن ہے۔ اور جب تک ہم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی زندگی کی واقفیت و علم نہیں رکھیں گے۔ ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال نہیں سکتے۔ اسی لئے کتب و سنت میں علم کی اس قدر فضیلت آئی ہے۔ استقصاء مقصود نہیں۔ تاہم تبرکاً ایک دو آیتیں اور چند پیش علم اور طلب علم کی فضیلت میں نقل کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

۱، يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ
وَالَّذِينَ (وَلَوْ) اَلْعِلْمَ دَرَجَاتٍ
بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ درجے تم میں
سے ان لوگوں کے جو لوگ ایمان لائے اور
جو لوگ علم دالے ہیں۔

۲، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ
يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا
يَعْلَمُونَ
آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے علم
رکھنے والے (اور نہ جاننے والے برابر
ہو سکتے ہیں؟ (مراد یہ ہے کہ ہرگز برابر
برابر نہیں ہو سکتے)

۳، اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
تحقیق اللہ تعالیٰ سے اس کے علم رکھنے
والے بندے ہی ڈرتے ہیں۔

مرات ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

من یرد اللہ بہ خیراً
یفقہہ فی الدین
(مسکوٰۃ کن باب العلم صحیح بخاری ص ۱۳)
اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا
چاہتا ہے۔ اسے دین کی سمجھ
عطا فرماتا ہے۔
ابن ماجہ ص ۸۹ جامع ترمذی ص ۸۹

(جلد دوم و مسلم دینرہ)

کہ دین کی سمجھ اور علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ اس لئے دین جو کہ سراسر خیر ہے
اس کے حصول کے لئے اول علم کی تحصیل ضروری ہے۔ کہ علم کی روشنی کے بغیر راہ ہدایت
کی تلاش اور اس پر گامزن ہونا سراسر بے وقوفی اور چالٹ ہے۔ اسی لئے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

طالب العلم فلیضیۃ
علیٰ کلّ مسلم
علم (دین) کی طلب ہر مسلمان پر
فرض ہے۔

(ابن ماجہ باب فضل العلم)

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

علم کو حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

(احیاء العلوم)

دین کی تمام تر سبزی و شاواہی دین کے علم پر موقوف ہے۔ جب تک ہم تینہ
جانبیں گے کہ دین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوتے ہیں؟ صراطِ مستقیم کیا
ہے؟ ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ اسلام کا مدعا کیا ہے؟ سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی زندگی کس طرح گزاری ہے۔ اور ہمارے لئے کیا نمونہ چھوڑا
ہے؟ ہم دین کی راہ پر چل نہیں سکتے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علم اور طالب العلم کے فضائل بکثرت بیان فرمائے ہیں۔

امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

عن كثير بن قيس قال كنت جالساً

مع ابي الدرداء في مسجد دمشق

فجاءه رجل فقال يا ابي الدرداء

اني جئتك من مدينة الرسول

صلی اللہ علیہ وسلم لحديث

يلغني انك تحذثه عن رسول

الله صلى الله عليه وسلم ما

جئت لحاجة قال فاني سمعت

رسول الله صلى الله عليه وسلم

يقول من سلك طريقاً

يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً

من طرق الجنة وان السلاكة

لتضيق اجنتها واصلها الطالع

وان العالم يستغفر له من في السموات

ومن في الارض والحيتان في

جوف الماء وان فضل العالم

على العابد كفضل القمر ليلة البدر

على سائر الكواكب وان العلماء

ورثة الانبياء وان الانبياء

كثير ابن قيس سے روایت ہے کہ میں

حضرت ابي الدرداءؓ کے ساتھ دمشق کی

مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس

آیا اور کہنے لگا۔ اے ابو دردرا میں

مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں

میرے آنے کا مقصد سوا اس کے اور

کچھ بھی نہیں کہ میں نے سنا ہے۔ آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک

حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو

درداء نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے طلب

علم کے لئے کسی راستہ پر چلنا شروع کیا

اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے اسے

جنت کے راستوں پر چلائے گا۔ اور

طاہرہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنی

خوشنودی کے اظہار کے لئے پر بچا تے ہیں

عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام

مخلوقات اور سمندر کی مچھلیاں تقرب

لم یؤثر ثوابا دینا راو لاد رهما
 و انما و رتو (العلم فم)
 اخذه فخذ مجظا وافر
 (مشکوٰۃ کتاب العلم الفضل الشانی، ابن
 ماجہ باب فضل العلماء، ترمذی باب
 ماجہ رقی فضل الفقہ علی العبادۃ
 ص ۹۳ جلد دوم عن قیس ابن کثیر
 ابو داؤد جلد دوم کتاب العلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
 کرتے ہیں :-

ففیہ واحد (شد علی الشیطان
 من الف عابد -
 (مشکوٰۃ ص ۳۳ - جلد دوم و
 ابن ماجہ ص ۲)

ترمذی نے ابوامام اور امام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سامنے دو آدمیوں کا جن میں ایک عالم اور دوسرا عابد تھا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے
 فرمایا

فضل العالم علی العابد کفضل
 علی اد ناکم ثم قال رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ
 وملائکته واهل السموات
 عالم کی فضیلت عابد (یعنی عالم) پر ایسی
 جیسے میری فضیلت تم میں سے آدمی
 ترین شخص پر۔ پھر آپ نے فرمایا -
 اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ اور آسمانوں

والا رحمن حتى الغلة في حرجها
وحتى الحوت يصلون على معلم
الناس الخير .
(ترمذی باب ما جاء في فضل الفقه
على العبادة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں .
ومن سلك طريقاً يلتمس فيه
علماً سهل الله به طريقاً الى
الجنة وما اجتمع قوم في
بيت من بيوت الله تيلون
كتاب الله ويتدارسونه
بينهم الا نزلت عليهم
السكينة وغشيتهم
الرحمة وحفهم الملائكة
وذكرهم الله في من عنده
ومن بقاء به علمه
لم يسوع به نسب
مسكوة ص ۳۲ بوالاسم ابن ماجہ
اور جے اس کا عمل تقرب الہی اور نجات سے (جو جو علی یا علم پر عمل نہ کرنے کے)
پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکے گا .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

کہ آپ نے فرمایا :-

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل متقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا اجر اسے ملتا رہتا ہے (اگر اس نے حیات میں کئے ہوں) صدقہ جاریہ، دوم ایسا عمل جس سے اس نے نفع اٹھایا ہو (یعنی کسی کو علم کی باتیں بتائی ہوں) یا خود اس پر عمل کیا ہو۔ سوم ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ بحوالہ مسلم)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

ان یشتبع المومن من خیر	مومن کو خیر کی بات سے (یعنی طلب علم)
یسمعه حق اكون منتقاہ	سے سیری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس
الجنة .	کی انتہا جنت ہوتی ہے۔

(طہارۃ الترمذی وقال حدیث حسن عزیز ص ۹۳)

ترمذی اور دارمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من خرج فی طلب العلم فہو	جو شخص علم کے لئے (اپنی جگہ سے)
فی سبیل اللہ حق یرجع	نکلا۔ وہ اللہ کی راہ میں (مجاہد کی طرح)
	پے یہاں تک کہ واپس لوٹ آئے (یعنی)
	اسے مجاہد کا ثواب ملتا رہے گا۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

حضرت سنجرۃ الانزہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :-

من طلب العلم كان كقارقه لما
مضى
جس نے علم حاصل کیا۔ وہ اس کے
مابقی گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص ۳

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

حصد الكافئ (ثمين رجل
آماه الله مالا على هلكته في
الحق ورجل آماه الله الحكمة
فهو يقضي بها ويعلمها .
صرف دو آدمیوں پر ہی رشک ہو سکتا ہو
ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور
وہ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرے
اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا

علم دیا ہو۔ اور وہ اس سے فیصلہ

کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم
دے
(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم، بخاری باب
الاعتباط والمسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :-

جس باریت اور علم کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ اس کی مثال
بحیرہ پور بارش کی ہے جو زمین پر ہوتی ہے۔ اور زمین کے مختلف طبقے ہوتے
ہیں۔ بعض حصہ عمدہ ہوتا ہے۔ اور (جلد) پانی کو جذب کر لیتا ہے۔ اور
گھاس اور ہریالی کثیر مقدار میں اس پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زمین کا بعض
حصہ پانی کو اپنے اندر ذخیرہ کرتا ہے اس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ اس
سے پانی پیتے اور پلاتے ہیں۔ اور کھیتیاں پاتی دیکر اگاتے ہیں اور زمین کا

بعض ٹکرائیج چٹان ہوتا ہے نہ پانی کو ٹھرتا ہے۔ اور نہ اس پر کچھ لگتا ہے۔ یہ پہلی مثال اس کی ہے جو دین میں سمجھ حاصل کرتا ہے۔ اور جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے خود علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور آخری مثال اس شخص کی ہے جو اس ہدایت کی طرف سر بھی ادبچا نہیں کرتا۔ (یعنی اتفات نہیں کرتا) اور جو ہدایت میں دے کر بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔
(صحیح بخاری باب فضل من علم و علمہ)

قرآن و حدیث کے ان جواہر ریزوں سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم ہی اسلامی زندگی کے حقائق کو ہم پر آشکار کر کے ہمیں راہ ہدایت پر گامزن کرتا ہے۔ اور ہم میں ایمان و ایقان کے جذبات پیدا کر کے ہمیں سراپا مسلم اور دین برہی پر عامل بنا دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کبھی میں بھی تحصیل علم کے فریضے سے غافل نہیں ہوتے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے۔

(بخاری ص ۱۱۱)

اور ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کا سفر برداشت کرتے تھے۔ مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے مدینہ سے شام کا سفر صرف ایک حدیث کے علم کے لئے اختیار کیا۔
(بخاری تعلیق باب اخرون فی طلب العلم)

آج اگر ہمارے جذبہ سرمد چکا ہے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں، محلوں اور گاؤں کی مساجد میں اپنی دیناوی مشغولیتوں سے کچھ وقت نکالتے ہوئے دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کریں۔ اس کے لئے اپنے علماء کے مشورے سے ہم کتابوں کا مختصر سا نصاب بنا سکتے ہیں جو نوی طریقہ تعلیم و ہدایت کے مطابق ہو۔ تہذیب و بشیر

ترغیب و فضائل، تربیب و وعید کا جامع، الہی خوف و خشیت اور محبت و الفت پیدا کرنے والا اور عمل پر ڈالنے والا ہو۔ تعلیم کا طریقہ الہی عظمت و محبت اور ذکر کی کیفیت کو لئے ہوئے ہو۔ علم کی بجائے عملی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے اور قول سے زیادہ عمل پر نفع دیا جائے جو اشخاص ناخواندہ ہوں۔ اور پڑھنے کی ہمت نہ پاتے ہوں۔ ان کے لئے صدق نیت سے دوسروں سے سن کر ان پر عمل پیرا ہونا اور دوسروں کو اس کی ثواب کی نیت سے دعوت دینا ہی کافی ہے۔ جو جوان ہمت لوگ علم کا معتد بہ حصہ حاصل کرنا اور عالم بننا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے تو درس گاہوں ہی میں باقاعدہ تحصیل کے سوا چارہ کار نہیں۔ لیکن عامۃ الناس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی کافی ہوگا کہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور اولی الامر علیہ کی قدر و قیمت کا دھیان کرتے ہوئے دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے کہ علم میں اخلاص و تعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ کہ علم میں اخلاص و تعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ عمل اس علم کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یکمانہ و مخلصانہ دعوت علم میں رسوخ، پختگی اور عمق پیدا کرتی اور عمل کی محرک بنتی ہے۔

الہی علم و یقین، سہم عمل، دائمی دعوت کے نور ہی سے کاشانہ نیکلام کی روشنی ہے۔ اخلاص و عظمت الہی کے استحضار کے ساتھ جس قدر امت ان اعمال میں مشغول رہے گی۔ رضائے الہی اور دائمی فوز و کامرانی سے ہم کنار رہے گی اور جس قدر ایمان و یقین، علم و عمل، عمومی دعوت اور باہمی تدبیر و تواضع سے کنارہ کرتی جاؤ گی۔ نقصان و خسارہ میں مبتلا ہو جائے گی۔ سورہ ”العصر“ اسی حقیقت کی قرآنی شہادت اور اقوام و ملل کی الہی سرنوشت ہے جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ و شاہد ہے۔

امت محمدیہ مرحومہ کے مختلف طبقات و گروہ جہ ملت کے اعضاء و جوارح کی حثیت رکھتے ہیں، جن کی زندگی اوامر الہیہ کے علم و عمل پر موقوف ہے۔ ملت کی شریانون میں جب تک تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صالح خون دوڑتا رہے گا، اس کے اعضاء و جوارح اسلام کے حیات آفریں پیام سے زندگی اور توانائی پاتے رہیں گے۔ اور جس قدر حیات و قوت کے ان الہی سرچشموں سے مختلف طبقات کا تعلق کم ہوتا جائے گا، ملت پر اضحلال چھانا جائے گا، ملت جملہ طبقات و افراد سے عبارت ہے۔ جن میں سے کسی طبقے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے امت مسلمہ میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے جملہ طبقات امت کو نبوی تعلیمات سے آشنا کرنا ہے۔ علی زندگی کی راہیں کشادہ اور قرآن و سنت کی سبیل و کوثر سے ہر کہ دمہ کو حسب استعداد سیراب کرنا ہے۔ ایمان و یقین، علم و عمل، ذکر و خشیت، احسان و اخلاص، اخلاق و خوبی، معاملات اور حسن معاشرت کی عام فضائیں قائم کرتی ہیں۔ اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ الہی اعتماد و توکل، ہمت و عزیمت سے کام لیتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جملہ طبقات کو علم و عمل، ذکر و عبادت کی راہ پر ڈال دیا جائے جس سے پہلے بھی امت پر بہار آئی تھی۔ اور ختم نبوت کی برکت سے آج بھی آسکتی ہے۔

پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاودانی تعلیمات ہر زمانہ و مکان، ملت و قوم کیلئے نجات و کامرانی، فوز و فلاح کا آخری الہی نوشتہ

ہے۔ جس سے امتِ محمدیہ کی زندگی قائم اور اس کا فروغ وابستہ
 ہے۔ امت آج ان قدسی ستونوں سے سیراب ہو کر الہی زندگی
 سے مرشار ہو سکتی ہے۔ اور ہلاکت سے ہیکار سسکتی انسانیت
 کو دائمی چین، امن و سکون، اور نبوی پاک و مطہر زندگی کا پیام دے
 کر عالم کی نجات دہندہ بن سکتی ہے۔

بیاتاً گلِ برفشانیم در ساغر اندازیم
 فلک را سقف بشکافیم و طرحِ نو در اندازیم
 اگر غمِ لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقان ریزد
 من و ساتی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم





اکرامِ مسلم

اسلام ایک برہم رمت تھا جو وادیِ لطحا سے اٹھا اور جس جگہ برسا اپنی فیض گستریوں سے
 اسے جنت کا فوہ بنا گیا۔ اس نے عالم کو ایک عالمگیر اخوت و برادری کا درس دیا۔
 انسانی عدل، باہمی عنک سری اور جن سلوک کا سبق پڑھایا۔ اس نے نیر و ستوں کی دستگیری کی۔ بے کسوں اور بے
 چاروں کی چارہ گری کی۔ کمزوروں کو توانائی اور غلاموں کو آزادی بخشی اور دنیا کو ایک ایسے معاشرے کی تشکیل
 کی دعوت دی۔ جہاں رنگ و نسل، مزیوم اور قوم و وطن کی خور ساختہ انسانی پابندیاں ٹوٹ کر رہ جائیں۔ جہاں
 دولت و ثروت طاقت و جہا کی باہمی رقابت و منافقت اور طبقاتی رنڈاؤ کشاکش کا وجود نہ ہو اور تمام اولادِ آدم
 ایک آہی شرف میں منسلک ہو کر باہم بھائی بھائی بن جائے۔ اور جہاں عزت و فضیلت کا مدار نسل و وطن اور
 دولت و ثروت کے بجائے نیکی اور پرہیز گاری ہو جائے اسلام کے اس حیات بخش پیغام اور انقلاب

آخرین دعوت کو صحیفہ اسلام نے ان جامع الفاظ میں پیش فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات - ۲)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ بہت جاننے والا اور باخبر ہے۔

قرآن نے یہ اعلان کر کے کہ نسلی و خاندانی تقسیم صرف تجارت کے لئے ہے، عزت و ذلت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ عزت و ذلت کے جاہلی زمانہ کو توڑ دیا اس کے برعکس ایمان اور عمل صالح کو عزت و ذلت کا مدد قرار دیا اگر مومن و متقی ہے تو خواہ کسی خاندان اور کسی قوم سے ہو وہ قابل اکرام اور واجب الاحترام ہے، اور اگر ایمان و تقویٰ سے خالی ہے تو خواہ کوئی بھی ہو اللہ کی نظر میں ذلیل و حقیر ہے چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکور کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ:-

ان الله قد اذهب عنكم عبية الجاهلية وفخرها بالاباء انما مومن تقى او فاجر شقى الناس كلهم من آدم وادم من تراب (مسکوٰۃ ص ۱۸۵ بحوالہ ترمذی والبیہاؤدی)

اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباد و اجراء پر فخر کرنے (کا جاہلی رسم) دور کر دی ہے اب (آدموں کا اصلی تقسیم مومن یہ ہے کہ) یا مومن ہو یا کافر یا فاجر یا بدکردار (نسل و نسب پر غور نہ کرو کی سوال ہی نہیں کیونکہ) تمام لوگ آدم کی مخلوق ہیں اور آدم کی اصل مٹی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک طویل روایت جو اس موقع پر بعض مفسرین نے نقل کی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں :-

قال احمد بن محمد الذي اذهب
عنكم عبية الجاهلية وتكبرها
يا ايها الناس ان اناس رجلا
بوتقنى كريمة على الله وفاجر
شقى هين على الله ثم
تلى يا ايها الناس انا
خلقكم من ذكواتى
(معالم التنزيل ص ۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس
اللہ کا شکر ہے جس نے تم سے جاہلیت
کی نفث اور تکبر دور کر دیا۔ اے لوگو!
اب لوگ دو قسم کے ہوں گے یا نیک متقی
جو اللہ کے نزدیک معزز ہوگا۔ یا بدکار
شقی جو اللہ کے نزدیک ذلیل ہوگا
پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ۔
یا ایہا الناس انا خلقکم

من ذکواتى (دخازن زیر آیت مذکورہ)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی تفویق، قومی تفاخر اور عصبی غرور
کے تار و پود کو اس بلیغ انداز سے بکھر کر رکھ دیا ہے :-

لا فضل لعربی على عجمي ولا
لا حمير على اسود ولا
لا حمر على اسود ولا
آدم و آدم من تراب
نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور
نہ گورے کو کالے پر۔ سب آدم کے
بیٹے ہیں۔ اور آدم مٹی سے پیدا کیے
گئے تھے۔

غرض اسلام نے اس طرح اور بھی توح اور شرافت و ذالت کے سارے خود ساختہ
پیمانے توڑ کر اپنے ماننے والوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور پھر انہیں ایمان کی بنیاد پر ایک
عالمگیر بھائی چارہ قائم کرنے کا درس دیا
اِنَّ الْمُؤْمِنِينَ (اخوة) (۱۰)

مسلمان تو سب آپس میں بھائی ہیں۔

یہ بھائی چارہ سبھی بھائی چارہ سے بڑھ کر ہے۔ کہ کافر و مسلم سب بھائی ایک دوسرے کی میراث نہیں پاسکتے بلکہ ایک مسلمان جس کا نسب بھائی کافر ہو اگر مر جائے تو اس کے وارث مسلمان ہوں گے۔ نسب تعلق ایک مادی رشتہ ہے جو فانی ہے لیکن اسلام کا روحانی تعلق ایک لازوال حقیقت ہے۔ اسی لئے اسلامی اخوت کے ایک متوالے نے کہا ہے۔ ۹

ابن الاسلام لا اب لی سواہ
اذا افتخروا بقیس او تمیم
ترجمہ ! میرا باپ اسلام ہے۔ اور اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ جب کہ
لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں میں سے ہونے پر فخر کریں (یعنی میرے لیے کسی قبیلے سے
ہونا فخر نہیں بلکہ مسلمان ہونا فخر ہے)

پس جو شخص بھی اس رشتہ میں منسلک ہو گیا وہ پوری ملت اسلامیہ کا بھائی ہی گیا۔ اور وہ
سارے حقوق اسے حاصل ہو گئے جو ایک بھائی کے دوسرے بھائیوں پر ہوتے ہیں۔
ارشاد ہوا ہے :-

فَاَنْتُمْ اَبْنَاؤُا ۚ فَاتَّقُوا الصَّلٰوةَ
وَاَتُوا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَا
كُمْ فِی الدِّیْنِ ط
سوا اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کریں،
نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دینے
لیں گے۔ تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

(التوبہ - ۱۲)

اسلامی اخوت کے اس شجرہ طیبہ کی حفاظت اور ثرو نہا کے لیے اس محضت صلی اللہ

علیہ وسلم نے بڑی اہم اور پیہم بدلتیں دی ہیں
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلمہ قال ایاکم والظن فان
الظن اکذب الحدیث ولا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے
بڑا جھوٹ ہے ایک دوسرے کے

تَحْسَبُوا لَاتُحْشَرُوا وَلَا تَبَا

جَشُوا وَلَا تَحْأَسَدُوا وَلَا تَبَا

غَضُوا وَلَا تَبْذَرُوا وَلَا تَكُونُوا

عِبَادَ اللَّهِ (خَوَافًا)

(صحیح بخاری باب قولہ یا ایہا الذین امنوا)

اجتنبوا کثیر من النکاح الا یہ ص ۸۹۶

جلد دوم)

عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے

کے عیبوں میں بحث نہ کرو، ایک دوسرے

کا عریہ کی چیز کی قیمت (خواہ خواہ قیمت

بڑھوانے کے لیے) نہ بٹھاؤ ایک دوسرے

سے حسد نہ کرو ایک دوسرے سے کینہ

نہ رکھو۔ اور نہ ایک دوسرے سے

منہ پھیرو۔ اور اے خدا کے بند

اے میں بھائی بھائی بن جاؤ!

ایک دوسری روایت میں امام مسلم نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

نہ وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے مدد چھوڑے

نہ اس کی تحقیر کرے (پھر) سیدہ مبارک

کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ

فرمایا، تقویٰ کا تعلق اس جگہ سے

ہے۔ انسان کے لئے یہ بڑی کافی ہے

کہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرے ہر مسلمان

کو دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس

کا خون اس کا مال اور اس کی اہل و عیال

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ

ولا یغذله ولا یحقرہ بالتقویٰ

ھمنا ولشیب الی صدرہ

ثلاث مرات بحسب امر

من الشرائح یحقر اخاء المسلم

کل المسلم علی المسلم حرام

دمہ و مالہ و عرضہ

(صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم ص ۳۱)

جلد دوم)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا،

ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ تو وہ نہ اس پر ظلم کرے گا اور نہ اس کو اس کے

دشمن کے والے کرے، جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا، خدا

اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کوئی مسلمان کاتبی گناہ کرے، خدا اس کے بدلہ میں اس کی تین گنا دور فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-
 قال من رد عن عرض اخيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فريأ جس
 رد الله عن وجهه النار يوم القيامة
 نے اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی کی اور بھائی اللہ
 قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ

(ترمذی باب ما دنی الذین عن المسلم) سے بچائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده .
 مسلمان وہ ہے جس کے لسان اور زبان
 کے ضرر سے دوسرے مسلمان بچے رہیں .

(صحیح بخاری کتاب الایمان ص ۱۷۱)

مسلمانوں کی عزت و عظمت امدان کے جان و مال کی ایک دوسرے پر حرمت نبوت کے دربار
 عام (حجۃ الوداع) میں نہایت ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں ذہن نشین کرائی گئی چنانچہ منیٰ کے مقام پر
 خطبہ دیتے ہوئے ارشاد ہوا :-

اتدرون ای یوم هذا قالوا
 الله ورسوله اعلم قال فان
 هذا یوم حرام قال اتدرون
 ای بلد هذا قالوا الله ورسوله
 اعلم قال بلد حرام قال
 جانتے ہو یہ کون سا دن ہے لوگوں نے
 عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں
 فرمایا یہ حرمت والا دن ہے (پھر) فرمایا تم
 جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے لوگوں نے
 جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے

اتذرون ای شہر هذا قالوا
 اللہ رسولہ اعلم قال شہر حرام
 قال فان اللہ حرم علیکم ہذا
 واما الکم واعراضکم
 کحصة یومکم هذا فی
 شہرکم هذا فی بلدکم
 هذا .

(صحیح بخاری ص ۸۹۲ جلد دوم)
 حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں اس حرمت والے دن کی طرح
 حرام کر دی ہیں ۔

مسلمان کی قدر و منزلت اور اللہ کی نظر میں اس کی جان و مال اور عزت و ابرو کی حرمت
 ظاہر ہونے کے لئے آپ نے ایک دن یہ پُر اثر انداز اختیار فرمایا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 کہتے ہیں :

مریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
 سلم یعطون بالکعبة ویقول
 ما اطیبک واطیب ربیعک و
 اعظم حرمتک والذی نفس
 محمد بیدہ لحصة الطومین
 اعظم عند اللہ حرمة منک
 ما لم ودمہ وان نطق بہ
 الاخیراً ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
 دیکھا کہ کعبہ مطہرات فرماتے ہوئے
 فرما رہے ہیں ۔ تو کتنا پاک ہے اور
 تیری براکتی پاک ہے اور کنی عالی تیری
 عزت ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے
 قبض میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے
 میں اور اس کے جان و مال کی حرمت
 اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے ۔

(ابن ماجہ باب حریم و المؤمنین و ما دہ ص ۲۹)
اور اس کے متعلق نیک گمان ہیں کہا
جاسکتا ہے ۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا :-
المومن اھکم علی اللہ عزوجل
من المملکۃ
مومن اللہ کے نزدیک فرشتوں سے
بھی زیادہ شرف والا ہے ۔

(ابن ماجہ باب المسلمون فی ذمۃ اللہ عزوجل)
مسلمان کا بھی شرف اور اس کی یہی فضیلت تھی ۔ جس کے متعلق قرآن کریم نے گواہی دی ۔
وَاللّٰهُ اَعَزُّ ذُو الْعَرْشِ وَ
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں
(منافقون ۱ - ۱) کے لئے ۔

پس جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں مومن کی اتنی قدر و منزلت ہے تو اہل ایمان پر بھی
لازم ہے کہ آپس میں حبیب و برتر عزت و توقیر اور شفقت و محبت کا معاملہ کریں ۔ یہ اہل ایمان کا ایک
دوسرے پر بنیادی حق ہے ۔ اور جو شخص ایسا ہی برادری کے اس حق کی رعایت نہیں کرتا ۔ وہ فی الحقیقت
اس قابل نہیں ہے کہ اس برادری کا رکن رہے
چنانچہ ارشاد نبوی ہے

لیس منا من لم یوحہ صغیرنا
وَلَمْ یُوقرْ کبیرنا
جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور
بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے
نہیں ہے ۔

(ترمذی باب ما جاء فی ذمۃ الصبیان ص ۱۶)
اور اسی بنا پر مسلمان کو گمانی دینا گناہ اور اس کا قتل کفر کے مترادف قرار دیا گیا ۔ صحاح کی مشہور
روایت ہے ۔

سبب المومن فوق و قتالہ کفر
مسلمان کو گمانی دینا خدا کی نافرمانی اور

(بخاری باب ما فیہ عن الباب والہن و ابن بلہ اس سے لڑنا (مقابلہ) کفر
(۲۹/)

ایک دوسری حدیث میں مومن پر لعنت بھیجا اس کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے ۔
بخاری کی روایت ہے :-

ومن لعن مؤمناً فهو مقتلہ و مومن پر لعنت بھیجا گویا اس کا قتل
من قذف مؤمناً بکفر فهو لکنا بھی دگویا اس کا قتل کرنا ہے

(بخاری ص ۸۹۳ ج دوم)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا :-

لا ترجعوا بعدی کفاراً ویکویرے بد کافر نہ ہو جانا کہ
یضرب بعضکم رقاب بعض ایک دوسرے کا گردن مارنے
(بخاری باب اللغات للعلماء)

ایک دوسری حدیث میں ہے :-

من حمل علینا السلاح فلیس منا - (مسلم ص ۶۹)
جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔

(بخاری ص ۱۰۴ ج دوم)

اس بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اگر عین میدان جنگ میں کوئی کافر صرف
کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل کرنا حرام ہے چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھیندہ کے عرفہ نامی قبیلہ کی طرف (جہاد کے لئے) بھیجا۔ ہم
نے ان پر چھاپا مارا اور انہیں شکست دی (اسامہ کہتے ہیں کہ) اس دوران میں، میں اور میرے
ایک انصاری ساتھی اسی قبیلہ کے ایک شخص کے قریب پہنچے۔ اور جب ہم نے اسے

(قتل کرنے کے لیے) اگیریا تو وہ لا الہ الا اللہ پکارا مٹھا اس پر میرے انصاری ساتھی نے تو اسے چھوڑ دیا اور میں نے اسے اپنے نیرے سے وار کر کے قتل کر دیا جب ہم مدینہ واپس پہنچے اور اس قصہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا ۔ اے اسامہ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا میں نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ ۔۔۔۔۔ اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا ۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا ، اور اس جملہ کو انھوں نے اور رنج سے اتنی بادرایا کہ (اسامہ کہتے ہیں) میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس دن سے پہلے میں لہمان نہ لایا ہوتا (یعنی یہ گناہ مجھ سے اسلام لانے سے قبل صادر ہوتا) کہ اسلام لانے سے یہ دھل جاتا ۔

(بخاری کتاب الدیات جلد دوم ص ۱۸)

اس قصہ کے ضمن میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا کیا رسول اللہؐ اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا ۔ تو آپ نے (نہایت بلوغ انداز میں) فرمایا :-

افلا شققت عن قلبہ
صحیح مسلم ص ۶۸

تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہوتا کہ وہ حقیقت میں ایمان لاکر کلمہ پڑھا تھا یا جاہل بچانے کے لیے پڑھا رہا تھا ۔ مراد یہ تھی کہ دل کا حال اللہ کو معلوم ہے تمہیں چاہیے تھا کہ نبیؐ کی تقریر کا کتنا کرتے

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں (کہ آپؐ فرمایا)

فکیف تضمن بلا الہ الا اللہ اذا
جاءت یوہر القیۃ ۔
کیا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کا تمہارا سامنے کیا
(صحیح مسلم ص ۶۸)

کہہ دے ! (یعنی اس وقت تمہارا پاس کیا جواب ہو گا)

ان روایتوں کے نقل کرنے سے دکھانا مقصود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لا الہ الا اللہ پڑھ لینے کا کتنا وزن ہے (جو کہ اسلامی برادری میں شرکت کا ابتدائی نشان ہے) اگر کوئی غیر مسلم حالت جنگ میں بھی جب کہ اس کی صداقت مشکوک ہوتی ہے، اس نشان کو ظاہر کر دے تو اس کی جان و مال و عزت و آبرو محترم ہو جاتی ہے۔ پس جب ایسے شخص کے معاملہ میں بھی یہ حکم ہے تو جن لوگوں کے متعلق کوئی شک بھی نہ ہو اور ان میں ایمان کی دوسری علامتیں بھی موجود ہوں ان کی حرمت ظاہر ہے کہ کسی وجہ کی ہوگی۔ اور ان کے حقوق ایک مسلمان پر وہ کیونکر نہ ہوں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی افوت کے ان حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے:-

ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا
 بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
 لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ
 قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا
 مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ
 عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ
 وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا
 تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بَلِّسَ
 الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ
 وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ
 هُمُ الظَّالِمُونَ

مسلمان تو سب بھائی ہیں سواپنے
 دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا
 کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔
 تاکہ تم پر رحمت کا جائے۔ اے ایمان والو
 نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا
 عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان
 ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر
 ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر
 ہنسنا چاہیے، کیا عجب کہ وہ ان (ہنسنے
 والیوں) سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے
 کو طعنہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے
 القاب سے پکارو کہ ایمان لانے کے بعد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا
كَثِيرًا مِّنَ الظُّلُمِ إِنَّ
بَعْضَ الظُّلُمِ أَثْمٌ وَلَا
تَحْسَبُوا وَلَا تَفْتِنُ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا أَضْحَكُ أَحَدَكُمْ
إِنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ
مِمَّا فَرَغْتُمْوهٗ ط وَقُلُوا
اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ
رَّحِيمٌ -
(احزاب ۲-۱)

گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو
(ان حرکتوں سے) باز نہ آویں تو وہ علم
کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! گناہوں
سے عموماً بچا کرو۔ کیونکہ بعض گناہ گناہ
بہتے ہیں۔ اور توہمت لگایا کرو۔
اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا
تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا
ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت
کھائے پس تم کو اس سے گھن آئے۔ اور
اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ

بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

انحراف و مجرت کی یہی تعلیم تھی جس نے ایک دوسرے کے خون کے پیالے سے ہندوں
کو باہم ٹھیکر کر دیا۔ جاہلی عصیت کے بت کو توڑ کر قرشی نسل فاروقی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تہیان
سے حبشی نسل سابق غلام بلال رضی اللہ عنہ کو "آقا" کہلایا (مناقب بلال ۲۸)
(بخاری ص ۵۲۱)

مرز و بوم نسل و وطن، قوم و تمدن کی انسانی حد بندیوں کو مٹا کر سکے جھپیہ رومی
سلمان فارسی، بلال حبشی اور ابوسفیان قرشیؓ کو لا الہ الا اللہ کی اسلامی بلوری کی ایک
صف میں کھڑا کر دیا۔ اور پھر اس صف میں رخصت ڈال سکے والی ہر چیز کا راستہ یہ کہہ کر بند کر دیا گیا
کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ
لَاخِيَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ
تم میں سے اس وقت تک کوئی
کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک جو

(بخاری باب من الایمان ان یحب لآخره)
(خیر) اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ اپنے
محبوب لنفسہ
بھائی مسلمان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

ایک طرف کمال ایمان حاصل کرنے کا وہ شوق تھا جو اللہ و رسول کے پیہم ارشادات سے
بھرا جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف انہی کے اس اتہائی تقاضا کی تکمیل کو کمال ایمان کیلئے موقوف علیہ
قرار دیدے گا کیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق جلد واحد کے مختلف اعضاء کے باہمی تعلق کی طرح ہو گیا
کہ ایک کی خوشی سب کی خوشی اور ایک کا غم سب کا غم۔
چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

توی المؤمنین فی قلوبہم
ولواؤہم وتعاظفہم کمثل
الجسد اذا اشتکی عضو تداعی
لہ سائر جسدہ بالسہرو
الحقی
مسلمانوں کو تم ایک دوسرے پر رحم کرنے
اپس میں محبت کرنے اور شفقت کرنے میں
جسم انسان کی طرح پاؤ گے۔ کہ ایک غم میں
بھی تکلیف ہو تو بدن کے سائر اعضاء و بخوابی
دحرارت میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

(بخاری باب رحمۃ اناس و البہائم ص ۹۹)

ایک دوسری روایت میں ہے :-

المسلمون کوجمل واحد لان
اشتکی عینہ اشتکی کلمہ
وان اشتکی رأسہ اشتکی
کلمہ
سارے مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر
اس کی آنکھ دکھے تو سارا بدن تکلیف محسوس
کرتا ہے اور اگر سر میں درد ہو تو تمام جسم اس
درد سے متاثر ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم باب تراحم المؤمنین و تعاظفہم و

تعاظفہم ص ۳۲)

مسلمانانی غم دل درخسہ یدن
چوں سیما ب از تپ یا زل تپیدن

حضور ملت از خود در گذشتن دگر با ننگ انا املت کشیدن

اقبال

قصر ملت کی تمام تر مضبوطی بعد اسلامی کی تمام قوت اور ملت کے غالب کی قیادت اسی اخوت و محبت اور الفت و تراحم کی وجہ سے ہے جس کو کرنا و منع لگائی تھیں اور اسلام پر تعلق ہے جو تمام ملت اسلامیہ کو یک ٹری میں پیرتا اور ملت مرہومہ کے مختلف افراد کی تیز رو بند کی کرتا ہے۔ اسی کے متعلق ارشادِ خلاق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَوَفَّقُوا
وَأَنْتُمْ مَسْلُومُونَ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا
وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ أَكُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ
إِخْوَانًا

اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا کہ اسی سے
ڈرنے کا حق ہے اور نہ تم مرو لیکن مسلمان
اور خدا کی رشتی سبب لے کر مضبوطی سے پکڑے
رہو۔ اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔ اور یاد
کرد اپنے اور اللہ کے احسان کو کہ تم باہم
دشمن تھے مگر اللہ نے تمہارے دلوں کو
جوڑ دیا اور تم بھائی بھائی ہو
گئے۔

(آل عمران — ۱۰۱)

اللہ کی رشتی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے مختلف افراد اور مختلف طبقات میں اخوت و محبت اور الفت و تراحم کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو پھر کس قیمت پر نہ یہ رشتہ برقرار رہ سکتا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے قرآن نے کہا ہے۔

وَلَوْ أَفْقَتْ مَآثِي الْأَرْحَامِ
جَمِيعًا مَا الْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
وَلَكِنَّ اللَّهَ الْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ

اگر تو زین میں جو کچھ ہے وہ سب
بھی خراج کر دیتا تب بھی ان کے دلوں
کو ملا نہ سکتا۔ لیکن خدا نے ملا دیا۔ ہے۔

چنانچہ جب سے مسلمانوں نے دین کی روشنی کو دیکھا چھوڑ دیا ہے۔ ان کا تہاکی شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ وہ امت جس کے افراد بھی الفت و محبت کے ایک تار میں منسلک تھے۔ دھسترا کر آج اس کے افراد اور مختلف گروہ و قلوب ہمد شستی کا سماں پیش کر رہے۔ اپنے کو اچھا اور دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا عامہ رواج بن کر امت کے اتحاد و اتفاق کو پرگانہ کر رہا ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خود پسندی و خود بینی اور اپنے بھائی کی عیب چینی روا نہیں کر مہیا بلندی و برتری تقویٰ ہے۔ اور کے معلوم کروات الہی کے نزدیک کون زیادہ متقی ہوا رشاد ربانی ہے۔

قل لا تزرکوا انفسکم حوا
سود بہت اپنی پار سائی نہ جھلکا کہ وہ
اعلمہ بمن اتقی ۔
ہی خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے ۔

(نجم — ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

بحب امری من الشران
انسان کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ اپنے
مسلان بھائی کی تحقیر کرے ۔
یحقق اخاہ المسلم

صحیح مسلم ص ۳۱۶

اور اس میں ہر مسلمان (خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو) شامل ہے کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کے بعد وہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا۔ اور نہ معلوم اس کلمہ کی کون سی نورانیت اس کے قلب میں ہو چکی ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہو۔ کہ پروردگار عالم کی نگاہیں قلوب کو دیکھتی ہیں۔ اور ہم کسی کا پہلو چیر کر اس کی قلبی حالت کا جائزہ نہیں لے سکتے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ صرف کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہونے کی بنا پر ہر مسلمان بھائی کی

عزت کریں۔ اور اگر اس میں کوئی عیب یا برائی ہو تو اس برائی اور گناہ کو بُرا جانیں۔ لیکن گنہگار کی ذات سے نفرت نہ کریں کہ ہمیں بیماری سے نفرت کرنی چاہیے، لیکن بیمار کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہمارے بوجھائی گناہوں کی بیماریوں میں محسوس کیے ہیں محبت و الفت اور اُلفت و حمت کے جذبے سے جھکانے اور شفقانہ انداز میں ان کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

ان احکم مولا (خیر)
 فان رأی بہ اذی فلیمطہ
 عنہ
 (ترمذی باب ما جاز فی شفقۃ المسلم
 علی المسلم
 بے شک تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی
 کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے
 تو ہمدردی سے دیکھ کر اس میں اپنا چہرہ دیکھے
 ہر ایک کوئی چیز برائی ہوئی معلوم ہو تو ہم اسے
 دور کرتے ہیں اسی طرح اپنے بھائی مسلم

کا عیب بھی دور کرنے کا کوشش کرنا چاہیے۔

یہی طریقہ ہے جس کی ذریعہ عالمگیر اسلامی اخوت کا ٹولہ ہوا اثر نہ ہوڑا جاسکتا ہے اور
 انتشار و پرگندگی کی محذور کیفیت کو دور کیا جاسکتا۔ ورنہ باہمی بدفہمی و عیب چینی اور تبدیل و تحقیر کا
 موجودہ سلسلہ قائم رکھ کر اخوت و یکجہتی کا پھل حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ بخاری کی وہ روایت جس میں
 فرمایا گیا ہے۔

و بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے نہ لوگوں
 کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو
 نہ باہم بغض رکھو۔ بلکہ لے لے اللہ کے بندوں! بھائی بھائی ہو جاؤ۔
 (بخاری باب ما فی حق التماسد والتدابیر ص ۸۹۶)

اس کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

كانہ قال اذا توکمتہ ہذا
 گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المنہیات کنتہم اخواناً ومفہومہ
 اذالم تترکوها تصیر والاعداء
 ومعنی کونوا اخواناً اکتسبوا
 ما تصیرون بہ (خوانا ماما
 سبق ذکرہ وغیر ذالک
 من الامور المقضیۃ
 لذلک نفیاً واثباتاً۔
 جن کا ذکر اوپر گذرنا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں۔ جو اخوت کو نفیاً یا اثباتاً
 پیدا کرتے ہیں :-



اخلاص نیت

اسلام جس پاکیزہ زندگی کی راہیں انسانیت پر کھولنے کیلئے آیا ہے اس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال گفتار و کردار، قلب و نظر اور روح و جسم کی جملہ حرکات و سکنات، خود غرضی و خود غنائی، عجب و یریا، اور کبر و ناز کی کٹافتوں سے پاک ہوں اور ہماری ہر ہر حرکت کا مقصد وہ ذات جمیل بن جائے جس کی رضا کوین کا حاصل اور جس کی محبت حضرت انسان کیلئے سرمایہ افتخار ہے جس کے سامنے کائنات کا وجود عدم مخلوق کی حقیقت گم، ذی ارادوں کے ارادے ختم اور حساب و منطق گنگ ہیں، اسی قریب کے وجود سے کائنات کی ہستی قائم، اس کے ہنکامے آباد اور اس کی مجلس پر رونق ہیں کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی محبت میں سرگردان ہے کہ اس جمیل مطلق کے سوا کوئی قابل التفات نہیں، اور انسان کا تنہا ہے کمال بھی یہی ہے کہ مرتبہ کمال کی محبت میں مست اور اسی کے جمال میں محو ہو کر رہ جائے، نہ نگاہوں میں اس کے سوا کوئی نہائے اور نہ قلب کی گہرائیوں میں کوئی اور بارگاہ۔ وہ محیط بے کلاں اس کے روح و جسم پر اس طرح چھا چکا ہو کہ اس کی ہر ادا اس فاعل حقیقی کے اشاروں کا عکس اور اس کا ہر عمل اسی کا پرتو ہے۔ کلام کی حقیقت یہی ہے کہ اپنے کو قلباً

جداً تشریفاً دیکھو! اسی ایک کے سپرد کر دیا جائے۔

عاشقِ چشمت! بگو بندہ جانناں بوردن

دل بدست و گھر سے دادن و حیران بوردن!

اور شاید اسی مری طرف حضرت خلیل علیہ السلام کے بھی یہ الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) میں فرمانبردار ہوا

قَالَ أَتَمَّنتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

عالموں کے پروردگار کا۔

(البقرہ - ۱۶)

کیونکہ اسلام تفویض و تسلیم کا مترادف ہے کہ اپنے کو اسی ایک کے حوالے کر دیا جائے
تیکوئیٹا اس کی رضا پر رضی اور تشریف اس کے اوامر و احکام کی پابندی اختیار کی جائے اور تمام عمر
انقیاد و تسلیم کی مخلصانہ جدوجہد کے وظیفے میں گزر جائے کہ زندگی و جان خلق و امر و دنوں
محاذ سے اس جان بخشنے والے خالق و آمر کی ملک ہے اور بندہ کا انتہائے کمال
یہ ہے کہ دینے والے آقا کیسے خود کو ٹمادے کہ اس ٹٹنے کا نتیجہ ابھرنے والے اس
فنا کا حاصل بن جائے۔

سوئے تخت و بہترین جلے کشد

آں کے راکہ خچنیں شاہ کد

اسی لئے سرورِ عالم، خیر الانبیاء سید ولد آدم علیہ السلام کی رہنمائی اس تمام مخلوق کی

طرف ان الفاظ میں کرائی گئی

قُلْ إِنِّ صَلَوَتِي وَنُصْرِي وَتَحْيَايَ وَتَمَاتِي لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ
أُمِرْتُ ۚ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنّا اللہ ہی
کے لئے ہے۔ جو پالنے والا ہے۔ صاف جہان کا کوئی

مہیں اس کا شریک اور بی مجھ کو حکم ہوا۔ اور میں سب سے

پہلے فرمانبردار ہوں (ترجمہ شیخ التہذیب) (الانعام - ۲۰)

توحید و توفیض کا یہ مقام بلند ہمارے آقا فخر الہی صلی اللہ علیہ وسلم کو روزِ ازل ایسی لئے مرحمت فرمادیا گیا تھا کہ یہ حاصلِ کونین زندگی اپنی نہ رہی تھی بلکہ اپنے کو رب العزت کے کلمتاً پر و کر کے صفاتِ الہی کے کامل ترین رنگ (جو عالمِ امکان میں ممکن ہو سکتا تھا) میں نکھر چکی تھی۔ اور آپ کی مناجاتیں اسی چیز کی گواہی دے رہی تھیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَصْلُوْنِيْ وَنَسْكِ وَحَيَايَ وَمَحَاتِ وَابِلِكَ
صَلَابِيْ وَادِ رَّبِّ تَوَاتِيْ

یا اللہ تیرے لئے ہی ہے میری نماز، اور میری عبادت اور میرا جنیا اور میرا
مرنا اللہ تیری ہی طرف ہے میرا رجوع اور تیرا ہے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں
سکا۔

(دعا سے ماثورہ از قربات عند اللہ و صلوات الرسول امام متاخریؒ)

۲۴

وہ پاک ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) الحاح و تضرع کے ساتھ اپنے آقا
سے یہ دعائیں مانگتی تھی کہ مجھے میرے نفس کے لمحہ کیلئے بھی حوالے نہ کیا جائے کہ یہ تمام
توفیض و فنا کے منافہ ہے۔

چنانچہ نسائی و حاکم اور بزار حضرت انسؓ سے آپ کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِمْنِيْ
شَانِيْ كُلَّهٖ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى نَفْسِيْ طَوْفَةً
عَتِيْقًا

اے زندہ ! اے تھانے والے۔ تیری رحمت کے واسطے سے تیری

طرف فریاد لاتا ہوں۔ اے اللہ میرے تمام احوال کو درست کر دے اور

مجھے میرے نفس کی طرف ایک لمحہ کیلئے بھی نہ چھوڑا !
توفیض و سپردگی کے اس منظر کا اندازہ مقررین بارگاہِ قدسیت کے امام

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس دعا سے کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے جو
ہر بات استراحت کے وقت زبان وحی والہام سے ادا ہوتی تھی۔ امام بخاری و مسلم حضرت
برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت استراحت کیلئے اپنے
فرشِ خواب پر شریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ أَسَلْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي
إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ أَصْنْتَ طَهْرِي إِلَيْكَ
رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مُجَانِمَ إِلَّا إِلَيْكَ
أَصْنْتَ بَكَتَاكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَفِيكَ الَّذِي
أَزْمَلْتَ (مشکوٰۃ ۹، ۱۰ باب ما يقول عند المصباح والمساء والنائم)
اے اللہ میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور اپنا چہرہ (ذات و
قلب) کو تیری ہی طرف متوجہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ (تمام امور خارجی و باطنی
او کما قال العلیؑ) تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اپنا پشت پناہ
تجھے ہی بناتا ہوں۔ امید بھی تجھی سے ہے اور خوف بھی صرف تیرے
سے ہے۔ کہ میرا امن کا ٹھکانہ اور تجھ سے میری جائے پناہ سوا تیری
ذات کے کہیں بھی نہیں میں ایمان لایا تیری نازل کردہ کتاب پر
اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر۔

زبان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک لفظ رب کی عاجزی
اور درماندگی اور رب العزت کی طرف اپنی سپردگی اور انفوض کا مظہر ہے۔ اسلام کی جو حقیقت
تبدلانیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے ظاہر ہوئی تھی کہ اپنی جانوں کو بالکل
رب العزت کے حوالے کر دیا تھا۔ اپنے ظاہری اور باطنی امور کو کسی قاضی الامور کو سپرد
دیا تھا۔ مطلقاً بے نیاز ہو کر اسی غنی مطلق کا نیاز مند اور مسکین سہاروں کو چھوڑ کر اسی کا
تہارا قبول کیا تھا کہ ذات عزیزی وہ "مکن شہید" ہے۔

لے اشارہ ہے آیت قرآنی "او اوی الیٰ ذلک شدیدہ کظف۔ الغفران"

جس کی پناہ کے بعد خوف نہیں اور جس کی مدد کے بعد ناکامی نہیں ہمارے تمام امور
 اسی سے طے پارہے ہیں، ہمارے تمام کاموں میں اسی سے جان اور ہمارے تمام اسباب میں اسی
 سے تاثیر اندازہ ہے۔ ہمارے اعمال و افعال کی ہر حرکت اسی سے ہے اور ہمارے ارادوں کی رنگ
 آمیزیاں اور ترنوخ اسی کے دم سے ہیں۔ وہی ذات اقدس کو نین کے ہر ہنگامہ اور ہماری
 ہر جنبش کا باعث و سبب ہے۔

یا خفی الذات محسوس العطا انت کالماء و نحن کالرحا
 انت کالریح و نحن کالغبار یختفی الریح و نبراہ چہار

تو بہاری ما پو باغ سبز و خوش

او نہال و آشکار بخشش

تو چو جانی ما مثال دست دیا قبض و بسط دست از جان شد دا

تو چو عقلی ما مثال این زباں این زباں از عقل یا بد بیاں

تو مثال شادی ما خندہ ایم

کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

(عارف موم)

وہ کریم مطلق جو اندرون بیرون، غیب و شہادت، ظاہر و باطن کے ہر ہر امر
 کا مؤثر حقیقی اور لاشریک خالق ہے جس کی ربوبیت سے موجودات کا ذرہ ذرہ قائم
 ہے۔ اور جس کی عظمت کے شجر شے سرانگندہ ہے۔ اسی لائق ہے کہ ماسوا کی ہر چیز
 کی نفی کرتے ہوئے اسی سرچشمہ بقاء و حیات کی طرف کلید متوجہ ہو کر اپنے کو اس کے
 سپرد کر دیا جائے کہ تسلیم و رضا کا مقام اور محبت کی خلوتیں "افلیں" کے ترک کیے
 بغیر مشکل ہیں۔ اسی لئے وہی حنفی کے موسس اول ابوالبیاء سینا ابراہیم علی نبینا
 وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ملکوتی میر میں پہلا قدم آفلیں کی محبت کی نفی سے کیا حال
 لا احب الا فلیں اور پھر بکرا رکھے ہے۔

اِنِّیْ فُجِیْتُ وَجْهَیْ لِذِیْ قَطْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
حَتِّیْ فَاَ مَا اَنَا هِنَ الْمُشْکِیْنِ ۝

ترجمہ میں نے توجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس
نے بنا ئے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں

ہوں شرک کرنے والا۔ (الانعام - ۹)

پس ملت جنتی کے ہر پیر و کار کا یہ فرض ہے کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی کی طرف
یکسوئی اختیار کرے کہ حقیقت ظاہر و باطن میں کسی غیر کی طرف توجہ کو برداشت نہیں
کر سکتی۔ اور کسی سفلی و علوی مخلوق کو اپنی جگہ قرار نہیں لینے دے سکتی اس کی اصلی منزل اور
اس کا مقصد وحید ذات متعال ہے۔

بزیز گنگرہ کبرائش سرور اند
فرشتہ صید و پیمبر شکار ویزو گیر!
در درشت جنوں میں جبریل زبوں صید
یزداں بکندہ اور اے ہمت مرطابہ!
مرد حنیف کی تمناؤں کا محور اس کی انگلیوں کا منہا اور اس کے اردوں کا
نشین وہی ذات جمیل ہے جس کے سوا محبوب بننے کا سزاوار کوئی نہیں ہے، یہی
وہ ہے کہ جن ازل کے سبے بڑے ادا شناس فداۃ الہی وائی صلی اللہ علیہ وسلم نے
انسانیت کو جن تعلیمات سے روشناس کیا ان میں سر عنوان یہ مضمون تھا کہ کائنات کی کوئی ہستی
علویات کی کوئی شے، سفلیات کی کوئی چیز حمید مطلق کے سوا تمہارا کعبہ مقصود نہ ہو، عزت و
جاہ کی خواہش مال و دولت کی حرص، نمود و نمائش، کبر و تفاخر اور کوئی لغائی خواہش تمہاری
توجہ کا مرکز نہ بنے۔ بلکہ تمہاری پوری کی پوری زندگی کا متعارف مقصد ذات باری ہو
اور شاہد ہوتا ہے۔ ~

فاعبدوا للہ مخلصاً للہ الدین ۝
اِلَّا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۝
سو بندگی کر اللہ کی خالص کر کے اسکے
واسطے صفا ہے اللہ ہی کیلئے ہے
بندگی خالص۔ (اندر)

اُس کی بارگاہِ احدیت میں کوئی ایسا کام مقبول نہیں جس میں ماسوا کی رضا کا شائبہ بھی ہو۔ کہ محبوبِ حقیقی کی غیرت ”بوسے غیر“ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی زبانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بار ارشاد ہوا کہ

”قیامت میں خدا اگلوں اور پچھلوں کو یک جا کر لگتا تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے عمل کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک ٹھہرا لیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے ملے گا کہ خدا سا جھے سے بے نیاز ہے“

(سیرت النبی جلد چہارم ص ۵۸ بحوالہ سنن ابن ماجہ باب البر یا ترمذی)

دسند ابنِ جنبل (۱)

اور اسی بے بارگاہِ خداوندی کے سب سے بڑے دشمنِ شمس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

اعلانِ کا حکم ہو رہا ہے۔

قل انی اموت ان عبد اللہ	تو کہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں
مخلصاً لہ الذین ہواموت لان	اللہ کی خالص کر کے اس کیلئے بندگی
اکون اول المسلمین ہ قل انی	اور مجھ کو یہ (مجھ) حکم ہوا کہ میں جہلا
اخاف ان عصیت ربی عذاب	فرمانِ وارثوں کہہ دے کہ میں ڈرتا
یوم عظیم ہ قل اللہ اعبد	ہوں، اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی
مخلصاً لہ دینی ہ فاعبدوا	کروں بڑے دن کے عذاب سے
ما شیئتم من دونہ ط	کہہ دو کہ اللہ کی ہی بندگی کرتا ہوں
(زمر - ۲)	اپنی بندگی کو اس کے لئے خالص کر کے

تو تم (اے کافرو) خدا کو چھوڑ کر
جس کی چاہے عبادت کرو

حنیفِ مسلم بندگی پہچان ہی یہی ہے کہ اس کا سر نیاز بارگاہِ قدس کے سوا کہیں

جھٹکنے نہ پائے اس کا دل حیریم ذات کے جلووں میں کھو کر رہ گیا ہو اور اس کی نگاہیں اس
صحن بے جہت سے اس طرح مسح ہو چکی ہوں کہ التفات و توجہات کا مرکز مولائے قدس

ع مصطفیٰ راضی نشد الانبات

کہ ملت حنفی کے فائدہ سالار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قلبی کیفیات اور آرزوؤں کو دعا کے
جاچیں یوں پیش فرما رہے ہیں ۔

اللهم اجعل وساوس
قلبی خشيتك وذكرك
واجعل همتي وهواتي
فيما تحب وترضى
اے اللہ کہ دے میرے دل کے
خیالات (وسوسوں) کو اپنا خوف اور
اپنی یاد اور میرے امداد اور خواہش
کو اس چیز میں کر دے جسے تو اچھا

سمجھے اور اس سے راضی ہو ۔

کہ وہ دل جس میں وہ سما جاتا ہے ۔ اس کے سوا کسی کی طرف نگاہ نہیں
ڈال سکتا ۔ جسے سورج کی روشنی میں آجائے فردوں سے اقتباس نور نہیں کیا کرتا ۔

میر شین نہیں درگہ میر و وزیر
میر شین بھی تو شاخ نشین بھی تو

اس صحن بے پردہ کے سامنے تمام صحن مستور ، اور محبوب ازل کے سامنے تمام محبتیں
مانڈ پڑ جاتی ہیں ۔ اور یہی وہ صدیقیت کا اونچا مقام ہے جس کی طرف شاید ان الفاظ
میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

الذین امنوا شد حبا لله . (البقرہ)

جو ایمان لائے وہ ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت رکھتے ہیں
کہ عین صحن پر عین کامل ۔ ولہ و شہاد کے بغیر نہیں چھوڑتا ۔ مستور ازل کا چہرہ بے

قلب مانے آجائے تو کون ہے جو ہوش و قرار قائم رکھ سکے۔
 ۴ وہ شہد و مہاجر جب مانے آجائے ہے تھا منا یوں دل کو پہ پہلو سے نکلا جاتا ہے
 اور یہ نتیجہ ہے اس قلبی یقین و صدق کا جسے ہم اخلاص کے نام سے پکارتے
 ہیں کہ دل کی کائنات پر جب حق ازل کا فیضان ہوتا ہے۔ تو وہ انوار و تجلیات الہی سے
 متاثر ہو کر سراپا اس کے جلوؤں میں متوراد کی کیفیات سرمدی میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اور اس
 کی زندگی کا ملا اس کے تابع ہو کر اسی سے ہو جاتی ہے۔

من بجانا زندہ ام و زجاں نیم
 من زجاں بگذشتم و جانا نیم
 چشم و گوش و دست و پایم آگرفت
 من بدر رفتم سرگرم او شگرفت
 این بصر دین سمع چوں آلات دوست
 بلکه ذرات تنم مرآت دوست
 نغمہ از نایست نے از نے بیاں
 مستی از ساقیست نے از من بیاں
 چوں مرا دیدی خدا را دیدہ
 گردو کعبہ صدق برگردیدہ
 گفتن من گفتن اللہ بود
 گرچہ از خلقم عبد اللہ بود
 ما چوں مست از دیدن ساقی شدیم
 مست گشتم از فنا باقی شدیم

(عارف سوم)

کہ ایمان کا صدق ادا خلاص تو یہی ہے۔ کہ جس حی و قیوم پر لفظاً ایمان لایا ہے
اس کی ایک ایک کیفیت قلب کی گہرائیوں سے مشاہدہ کرے جب عین حیا و قیوم
محض وہی ہے۔ تو پھر عالم کی ہنگامہ آرائیاں اس سے نہ ہوں تو کس سے ہوں۔

اول آخر توئی مادرِ بیاں
بہیچ بیچے کے ناپید دریاں

پس اخلاص دل کی اس سچائی کا نام ہے۔ کہ جس ذات واحد پر ایمان لایا ہے اس کے
قلب کی انتہائی گہرائیوں میں سوائے اس کے کوئی بار نہ پاسکے۔ اور جو ایمانی الفاظ
اس کی زبان سے ادا ہو رہے ہوں۔ اس کے قلب کی اندرونی آواز ہو جس میں ظاہر
و باطن کسی دوسری خواہش شامل نہ ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ اخلاص ایمان کی سختگی
اور سچائی کا نتیجہ ہے کہ جب ذات واحد کا ہر چکا تو کسی دوسری طرف میلان اس
کے ایمانی دعوے کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اسی لئے ہر اس خواہش کی پیروی
جو اس کی رضا کے لئے نہ ہو۔ معبود باطل کی پیروی قرار دی گئی۔

قرآن میں ارشاد ہے :-

أَدْعَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ
حُلُوه
کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی
نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

(فرقان - ۴)

اسی وجہ سے اخلاص کی متقابل صفت مریا کو ایمان کے مجموعے و عویداروں کی
طرف منسوب کیا گیا ہے جیسے کہ آیت ذیل سے مستفاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ
وَهُوَ خَافِعٌ لَهُمْ وَإِذَا
قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا
بِالْشَّنْبَةِ خَائِفِينَ لَوْ كَانُوا يَشْعُرُونَ
حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو اس چال کی خبر
دینے والے ہیں۔ جب نماز کو کھڑے

کَسَالَىٰ يَرَاؤُنَ النَّاسَ
وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ
إِلَّا قَلِيلًا (انسان ۲۱)

ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کمیز
ہوتے ہیں، صرف آدمیوں کو دکھلا
ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں
کرتے مگر بہت مختصر۔

(ترجمہ ام تحائف)

یعنی باطن میں تو ان کے ایمان کی بوتل نہیں پہنچتی۔ ظاہری ظاہر میں اپنی اغراض
کے لئے بن رہے ہیں۔ حالانکہ جس دن اللہ روزی بھیجے گا ان کے لئے تو وہ ظاہر جو باطن
کے بغیر یوں گے سراب محض بن کر رہ جائیں گے اور اپنے اس دھوکے اور فریب کے سبب
جہنم کے عقیق ترین گوشہ میں پھینک دیئے جائیں گے (اعیاذ باللہ) کہ ان کا دل اس
سچائی کو قبول نہ کر سکا جس کا وہ زبانی دعویٰ کر رہے تھے اور ان کے قلوب کی
گہرائیاں حق کے نور سے قطعاً مستفید نہ ہو سکیں۔ اسی لئے جہنم کے تاریک ترین گوشہ
ان کے سیاہ قلوب کا ٹھکانہ ہونگے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجِ
أَكَا شَقَلٍ مِنَ النَّارِ وَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے
کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ان کا
برگز کوئی مددگار نہ پاویگا۔

(ترجمہ ام تحائف)

(انسان - ۲۱)

اس کے برعکس جن لوگوں نے تاب ہو کر خالص نیت سے اپنے دین میں نئی
جان ڈالی ہوگی۔ وہ مومنین کے ساتھ اعظم کے مستحق ہونگے کہ عمل صالح کی قبولیت کی
شرط اول اخلاص نیت ہے چنانچہ اسی آیت سے اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الَّذِينَ تَابُوا وَآمَنُوا

لیکن جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ وَاٰخِلَاصُوا
 دِينَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولَٰئِكَ
 مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ
 يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
 اَجْرًا عَظِيْمًا

اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے
 دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں
 تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور
 مومنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا
 فرمائیں گے۔

(ترجمہ امام تھانویؒ)

(النساء - ۲۱)

کہ توبہ و اصلاح، اعتصام باللہ و خلوص فی الدین کے مظاہر ہی تو ہیں جب تک
 قلب خالص کی روشنی سے آستانہ ہوگا۔ نہ تو توبہ کی حقیقت مل سکتی ہے۔ نہ اصلاح کا دروازہ
 کھل سکتا ہے۔ نہ اعتصام باللہ کی سنہری زنجیر ہاتھ آ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن
 حکیم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت
 اسی کے لئے خاص رکھیں۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

کہ خالق کائنات کی، دلوں کو تانکنے والی نگاہیں ہمارے اندرون میں اس سچائی کو
 تلاش کرتی ہیں کہ میرا بننے کا دعویٰ کرنے کے بعد اس مدعی ایمان کی آنکھیں کسی دوسری طرف
 تو نہیں اٹکی ہوئیں۔ ایمان صادق کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ قلب و ظاہر کی تمام کائنات سمٹ کر
 دستِ محبوب میں آجائے۔ اور ہم اپنے اندرون کے کسی گوشے سے بھی غیر کی طرف متوجہ
 نہ ہوں۔ ہمارا مقصد و حید ذاتِ جمیل کی رضا ہو۔ ہمارا ہر عمل اسی کی خوشنودی کے تاروں
 سے حرکت میں آ رہا ہو۔ اور ظاہر و باطن کی خواہشیں سمٹ کر اسکی خواہش کے تابع ہو چکی ہوں
 فراق و وصل چہ باشد رضا ہے و دست طلب
 کہ حیث باشد از وغیر او تمنائے

قرآن کی آیت ذیل اسی طرف رہنمائی فرما رہی ہے۔

اَسْكَا اِسْتَعَا وَحَبِهْ دَبِهْ اَلَاغْلَا

یعنی اپنے عالی شان پروردگار کی ذات کے سوا کوئی

مقصود نہ ہو۔ (السیل - ۱)

ذاتِ اقدس کی رضا کے متلاشیوں کا بارگاہِ قدس سے نواز جانا بھی یقینی ہے۔ کیونکہ جو اس کے سوا کسی کو نہیں چاہتے وہ بھی انہیں چاہنے لگتا ہے چنانچہ آیت بالا کے بعد رضائے مولا کی خوشخبری خود اُسنادی گئی ہے کہ اس کا چاہنے والا جب اس کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوتا تو اس کا خوش کرنا گویا اپنے سے نواز دینا ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضَى (السیل - ۱) اور یہ اللہ کی ذات کا چاہنے والا

عنقریب راضی ہو جاوے گا۔

فلندی برمن از تازنگاہے قربان نکلے تو شوم باز نگاہے! یہی وہ ہے کہ صدق و اخلاص کے ریکڑے "مقامِ صدق" اور ملکِ مقدس کی بارگاہِ قدس میں جلوہ بازیے ذات سے نوازے جائیں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَهْرٍ
فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِندَ
مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ
بے شک پرہیزگار، باغوں میں اور نہروں
میں سچائی کی نشست گاہ میں اس بادشاہ
کے حضور جس کا سب پر قبضہ ہے۔

(قر - ۳) ہونگے۔

میرا ذوق تو یہی کہتا ہے کہ جن کے قلوب کے اندر ایمانی سچائی و اخلاص ریح چکا ہوگا۔ اس "سچائی کی نشست گاہ" کے نشین ہوں گے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر جو قلوب اس عالم میں اس کے سکون بخش روئے اقدس کے سوا کسی کے متلاشی نہیں تھے۔ وہاں بھی اس رخ کی جلوہ سمانیوں سے دل شاد ہیں گے۔

وجوہِ یومئذِ ناضرة کتنے چہرے اس دن تروتازہ اور بخشنے

اَلْاِنْسَانُ خَلْقٌ عَظِيْمٌ (قیامہ - ۱) ہر درد و گار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے
 انسان سے کے قلوب و اندرون کی یہی صدق و سچائی ہے جو اس کے اعمال میں جان
 ڈالتی اور اس کے انحال میں رنگ بھرتی ہے۔ انسان کی صلاح و فلاح کا سارا مدار اسی اندرونی
 صحت و صفائی سے وابستہ ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اَلَا وَاَنْ فِي الْجَسَدِ مَصْفَاةٌ من واکر بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا
 اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست
 وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ ہوا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا
 كُلُّهُ اِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ اور سن لو کہ وہ دل ہے۔

(بخاری و مسلم)

یہی ہے وجہ کہ رب العزت کی پاک نگاہوں کا سرگزشت بھی انسان کی قلبی گہرائیاں ہیں۔

توبیرون را بنگری وقال را من درون را بنگرم در حال را

کہ انسان کی پوری زندگی کی تشکیل جن تصورات و خیالات، احساسات و مہیجانات کی
 بنا پر ہوتی ہے، ان کا چشمہ ہمیں سے چھوٹتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسانی اعمال و انحال کے
 نقوش پہلے پہل اُبھرتے ہیں اور انسانی زندگی جن خاکوں میں رنگ بھرتی ہے انکی تیاری کا بھی یہی
 مقام ہے گویا بیماری زندگی کی ایک ایک حرکت ہمارے اعضاء و جوارح کی جنبش ہمارے اعمال کی ترقی و ترویج
 اور اخلاق و عادات کی نیرنگیاں ہماری اسی قلبی اسی کا نتیجہ ہوتی ہیں جسے ہم کسی نفل

کے صدر سے پیشتر قلب میں محسوس کرتے ہیں اور جسے ہم اپنے الفاظ میں نیت و ارادے
 کے نام سے موصوم کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نفل یا قلبی ارادے
 کے بغیر نہیں ہوتا اور یہی قلبی ارادہ ہمارے ہونے والے کام کا مقصد یا ہدف ہے۔ گویا ہم ہر کام کرنے
 سے پیشتر اس کا مقصد و نفاذ متعین کر لیتے ہیں اور ہمارے کام اسی مقصد کے حصول کیلئے ہوتا

ہر سہی وجہ سے کہ نیت و ارادہ پر ہر فعل کے حسن و قبح کا انحصار رکھا گیا ہے اگر نیت درست
 و نیک ہے تو کام بھی اچھا تصور کیا جاسکتا۔ اور اگر نیت فاسد ہے تو ہمارا وہ کام، گو ظاہر
 میں کتنا ہی اچھا ہو۔ اپنے مقصد کے فساد کی وجہ سے بیکار اور کالعدم ہی جانیگا۔ کہ ہر کام
 اپنے مقصد کی وجہ سے ہی معتبر گردانا جاسکتا ہے۔ اسی حقیقت کی پردہ کشائی حدیث کے
 اِن الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَانَّمَا	ہمارے کام نیتوں پر ہے ہر شخص کو دہی
لَا مُرِيَّ مَا نَدَىٰ فَنَ كَانَتْ	طے گا جس کی اس نے نیت کی، اگر
هَجْرَتُهُ اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ	ہجرت سے مقصود خدا و رسول صلی اللہ
فَهَجْرَتُهُ اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ	علیہ وسلم تک پہنچا ہے تو اس کی ہجرت خدا
وَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ اِلَى	کی طرف ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض کیلئے
دُنْيَا يَصِيهَا وَاِمْرَاةً يَتَكْهَمُ	ہے یا کسی عورت کے لئے ہے تو اس
فَهَجْرَتُهُ اِلَى مَا هَا هَجْرَالِيهِ	کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس
(صحیح بخاری ص ۱۱۱)	

ہجرت جو ایک نہایت عظیم اور مشکل عمل ہے اس کی مثال سے یہ واضح فرمادیا گیا کہ
 تمہارا کوئی عمل خواہ ظاہر میں کسی قدر عظیم الشان و پر شکوہ ہو۔ اگر وہ فساد نیت کی زہر سے مسموم
 ہے۔ تو عن اللہ اس کا کوئی اجر نہیں، کہ اللہ تو تمہارے دلوں کی پوشیدگیوں کو دیکھتا ہے۔
 کہ تم کس ارادے سے یہ کام سرانجام دے رہے ہو۔ وہ عمل کی ظاہری شکل کے بجائے اس
 کی حقیقت سمجھ کر دیکھتا ہے۔ چنانچہ قرآنی جو اسلام کا ایک بڑا شمار و خلیل اللہ کی سنت ہے۔
 اس کے متعلق بھی ارشاد فرماتا ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤُهَا	خدا کے پاس قرآنی کا گوشت اور خون
هَآؤَ لَكِنْ يَنَالُهُ اتَّقَوٰى مِنْكُمْ	نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہارا تقویٰ اس کو

(حج - ۵) پہنچتا ہے ۔

اور ” تقویٰ “ کا مقام وہی گوشت کا ٹکڑا ہے جسے ہم قلب کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو ہماری تمام عیتوں کا ماخذ و سرچشمہ ہے چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیدہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا :-

التقویٰ ھھنا تقویٰ کی جگہ یہی ہے۔

(صحیح بخاری باب تحریم ظلم المسلم)

نبیوں کے اس سرچشمہ کی پاکی و صفائی اعمال کی پاکی و طہارت کا سبب ہے۔ کل جزاکے دن اعمال کا حسن و قبح اندرون کی کیفیتوں کے مطابق ہی پرکھا جائیگا۔ اندرون کے بھید کھل کر انسان کے اعمال کو اپنے نور یا اپنی ظلمت سے ڈھانک لیں گے۔ اور کوئی پوشیدگی نہ رہے گی۔ چنانچہ کفار کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے :-

یَوْمَ تَبْلُو السَّيْرَةَ فَمَالَهُمْ قُوَّةٌ وَلَا نَاصِرَةٌ
جس دن جانے جائیں گے بھید تو کچھ نہ ہوگا۔ اس کو نہ در اور نہ کوئی مدد کرنے والا ۔

(الطارق - ۱)

یعنی قیامت کے دن سب کی قلبی کھل جائے گی۔ دلوں کے پوشیدہ راز آشکار ہو جائیں گے۔ جیسی چیزیں ظاہر کر دی جائیں گے۔ اعمال کی جانچ اندرون کی عیتوں کے مطابق ہوگی ظاہری بناؤں اور دکھاوا کچھ کام نہ آئے گا جو حقیقت ہوگی وہی ظاہر کر دی جائے گی زندگیاں نیاں و مقاصد کے غالب میں ڈھل کر نکلیں گی۔ اس عالم میں جو کچھ ہمارے قلوب نے کما ہمتا، اس کا بدلہ ہمیں مل جائے گا۔ ورنہ بنیر حسن نیت و اخلاص کے اعمال ملرب بن کر رہ جائیں گے۔ کہ دین ہدیٰ میں قبولیت کی پہلی شرط نیت کا خالص ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں بھی نبیوں پر انسانوں کو اٹھایا جائے گا (واللہ اعلم)

چنانچہ اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے

ہوتی ہے جس میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کعبہ پر حملہ کرنے والے عساکر کے زمین میں
دھنسن جانے کا واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ فرماتی ہیں :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
يَنْزِلُ جِشُّ الْكَعْبَةِ فَإِذَا
كَانُوا بَيْدَارَ مَنْ
الْأَرْضُ يَخْسِفُ بِأَوَّلِهِمْ
وَأَآخِرِهِمْ قُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ كَيْفَ يَخْسِفُ بِأَوَّلِهِمْ
وَأَآخِرِهِمْ وَفِيهِمْ أَصْوَابُ
وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يَخْسِفُ
بِأَوَّلِهِمْ وَأَآخِرِهِمْ
شَمِيعُونَ عَلَى
نِيَّاتِهِمْ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک
فوج کعبہ کی بربادی کے لئے جنگ
(کافہ) کر رہے گی جس وقت میدان
میں پہنچے گی تو ان میں کے اوّل و آخر
سب کے سب زمین میں دھنس جائیں
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب
کے سب کیوں زمین میں دھنس کر ہلاک ہوں
گئے۔ حالانکہ ان میں بائزرا دے اودوہ
لوگ جوان میں سے نہیں ہوں گے۔
(مثلاً ضعفاء و اودتیدی کہ قال ایضاً)
ان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ (۱) اور

وہ بے قصور ہوں گے (فرمایا سب
کے سب دھنس کر ہلاک ہوں گے لیکن
پھر قیامت میں اپنی اپنی نعمتوں پر اٹھائے
جائیں گے) (جس کی نیت یہ کہ کعبہ کی ہونگی
وہ مزار پائے گا جو بے قصور ہو گا وہ مثلاً
کہ دیا جائے تھا)

(صحیح بخاری)

باب ما ذکر فی الاسواق ص ۶۸۴

(جلد اول)

یہ حدیث اس چیز کی سریاں دہیل ہے کہ انسانوں کو اعمال کی جزا انکی نیتوں کے مطابق ملے

گی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہم عمل کیلئے نیت کی اصلاح پر نہایت ہی زور دیا ہے۔ ہر وہ کام جو صرف اللہ رب العزت کی رضا اور ذات کیلئے ہوگا۔ اللہ پیارے تو قیامتاً مقبول ہوگا۔

وَمَنْ يَعْمَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءً
مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

اور جو یہ تمام کام خدا تعالیٰ کی خوشنودی
کے لئے کرے گا۔ تو ہم اس کو بڑا اجر
دیں گے

(نہ - ۱۷)

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءً وَجْهِ
رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ
آتَوْا الزَّكَاةَ رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا
وَعَلَانِيَةً وَيَذَرُونَ
بِالْحُسْنَى السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ
لَهُمْ عَقُوبَى الدَّارِ

اور جنہوں نے اپنے پروردگار کیلئے
صبر کیا۔ اور نماز قائم کی۔ اور ہم نے
جو ان کو دیا ہے اس میں کچھ چھپے اور
کچھ طریقے سے خرچ کیا۔ اور برائی
کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ انہی
کے لئے ہے۔ بچھا گھر (یعنی عاقبت
کامیاب) ہے۔

(برعد - ۳)

مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے :-

وَمَا تَفْقَهُونَ إِلَّا ابْتِغَاءً
وَجْهِ اللَّهِ

اور تم تو خروج نہیں کرتے مگر
اللہ کی ذات کو چاہ کر۔

بعض مجلس صحابہ کرام (خصوصاً حضرت صہیبؓ) جو اللہ کی رضا کیلئے اپنا سب کچھ کفار

کو دے بیٹھے تھے۔ ان کے متعلق فخریہ انداز میں فرمایا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ
ابْتِغَاءً مَرْضَاتِ اللَّهِ. وَاللَّهُ
رُؤُوفٌ بِالْعِبَادِ

بعض ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی
خوشنودی چاہنے کیلئے بیچتے ہیں اور
اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

کہ جان دیکر بھی اگر رضا مجھ کو حاصل ہو جائے تو نفع کا سوا ہے۔ بارہ الٹ کا
ایک مرثا خبیث اسی حقیقت سے واروس کو زینت بخشا ہے اور جان عزیز آستان
حبیب پران پر کیف نعموں کے شہر میں پیش کرتا ہے :-

ولست ابالی حین اقتل مسلما

علی ای شق کان لله مصری

ترجمہ اور مجھے پروا نہیں خبیث مسلمان قتل کیا جاؤں کہ اللہ کے لئے کون سے بہو
ہمیرا قتل ہو کر (گونا گونا گئے)

وذالک فی ذات اکالہ وان یشاء

یبارک علی اوصالہ مشلو مصوع

یہ مرثا تو خدا تعالیٰ کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو ان کے ہوتے جوڑوں پر برکت

نازل کر سکتا ہے۔ باب لیتا سیرا جل ص ۲۸ جلد ۱۔

اخلاص اور رضا اے الہی کی طلب ہی اعمال میں وزن پیدا کرتی ہے۔ ورنہ اعمال
کا ڈھانچہ اخلاص کے بغیر بالکل کھوکھلا ہے جس کی اللہ کے ہاں کچھ بھی وقعت نہیں
بلکہ وہ حسرت و یاس کا سبب ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو ایک تمثیل کے
ذیل سے سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے

مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے

ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے

اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو اس

عقل کا غور کرنا کہ ان میں منجھکی پیدا کریں

مثل حالت ایک باغ کی ہے جو کسی شیلے پر

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

لَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

اللَّهِ وَتَنْثِيًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ

كَثَلُ جَنَّةٍ يَرْجُونَ أَصَابَهَا

وَابْنُ فَطْلٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَعِيرٌ أَيْوَدُ أَحَدَكُمْ

اَنْ تَكُوْنُ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحْلٍ
 وَّاَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا اَنْهَارٌ وَلَهُ فِيهَا
 مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَا
 بِهٖ اَنْ يُّكْرِمَ وَلَدَهُ ذَرِيَّةً
 صَّغِيْرًا فَاَصَابَهَا
 رَاعِصٌ فِيْهِ نَارٌ
 فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ
 يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِ
 لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ

ہو کہ اس پر زرد کی بارش
 پڑی ہو پھر وہ دنداد چوکن، پھل
 لایا ہو۔ اور ایسے زرد کا مینہ نہ پڑے
 تو بھی پھل اور بھی اسے کافی ہے اور اللہ
 تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے
 ہیں بعد تم میں سے کسی کو یہ بات
 پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں
 کا اور انگوروں اس کے (دھرتوں
 کے نیچے) نہریں چلتی ہوں۔ بس
 شخص کے ہاں اس باغ میں اور بھی
 قبرسم کے (مناسب) میوے ہوں اور
 اس شخص کو بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ہاں وہ
 عیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی قوت)
 نہیں۔ سو اس باغ پر ایک بگولہ آدے
 جس میں آگ (لگادہ) ہو پھرو باغ
 جل جادے اللہ تعالیٰ اسی طرح ظاہر
 بیان فرماتے ہیں تاکہ تم سوچو۔

(ترجمہ ام تحفانوی)

(البقرہ - ۳۶)

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ اخلاص والا عمل ہی
 اللہ کے ہاں پھلتا اور پھولتا ہے۔ اور جو عمل بغیر اخلاص کے کسی پر احسان دھرنے کی نیت سے
 کسی کو مومن احسان بنا کر شرمانے اور طعنہ دینے کے ارادے سے یا لوگوں کو دکھانے منانے

کیسے کیا جائیگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی تھا پر مٹی جگا اور بارش کے برسنے سے وہ زیادہ مٹا ہو کر رہ جائے۔ گویا اس کا عمل سخت اور چکنے پتھر پر مٹی تھا جسے اس کے فساد نیت کے پانی نے دھو ڈالا۔ فساد نیت اور عام اخلاص سے اعمال جس طرح برباد ہوتے ہیں۔ کس قدر واضح اور دلنشین مثال سے بیان فرمایا۔

کہ دیکھو اپنے اعمال کے مہلہاتے اور پر میوہ باغ کو ریا وغیرہ سے بربادیت کر دے جس طرح ایک بوڑھا ضعیف شخص جو ہر قسم کے پھلوں سے بھر پور باغ کا مالک ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے رکھتا ہو جو کانے کے لائق نہ ہوں، اور بوڑھے باپ اور ننھے بچوں کی زندگی کا سہارا یہی باغ ہو، ایسے میں ایک باوجود صرصر کا جھوٹا مال اپنے اندر آگ لے کر ہونے آئے اور اس امیدوں کے ساتھ باغ کو ان کی آن میں بھسم کر کے رکھ دے اور اس طرح اس محتاج و بیکس کی آرزوؤں کے خرم کو خاکستر کر دے اور اسے ناامیدوں کی گھٹاؤں میں اس وقت چھوڑ دے جب کہ اس کی زندگی اور معاش کا سامان کچھ بھی نہ ہو سکتا ہو۔ اندازہ کیجئے حسرت و یاس سے اس بوڑھے کی کیا حالت ہوگی؟ اسی طرح قیامت کے دن جب کہ سارے مہارے ٹوٹ چکے ہوں گے، عمل کا وقت گزر چکا ہو گا اور ان ایک ایک عمل کیسے اس بوڑھے سے زیادہ محتاج ہو گا، اس شخص کی کیا حالت ہوگی، جس نے زندگی بھر اپنے اعمال سے ظاہر میں خوشنما باغ تو دکھایا تھا۔ لیکن فساد نیت کی آگ کے شعلے ہر عمل کی تہہ میں چھپا رکھے تھے، عین ضرورت و محتاجی کے وقت اعمال کا یہ حسین باغ بد نیتی کے شعلوں سے جل کر رہ جائیگا۔ سوائے حسرت و یاس ناکامی و ناملرادی کے کچھ اس کے ہاتھ نہیں آئیگا، چنانچہ کفار کے متعلق جو کہ ایسا ان کے فقدان کی وجہ سے اخلاص کی نیت سے قطعاً گورہ میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ
كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ
اور جو کافر ہیں ان کے کام
ایسے ہیں جیسے میدان میں دیت،

الْظُّلْمَانِ مَا عَقَتِي رَاذِ اَجَاوَدَا
 كَرِپَا سَا اَسَس كُو پَانِي سَمَجھے اور
 لَسَدَ حَيِّدُ كَا شَيْئًا
 جب دہاں جائے تو اس کو کچھ نہ پائے

(النور — ۵)

غرض جو اعمال اللہ رب العزت کیلئے تمہیں کیے جاتے انکی حیثیت برابر
 سے بڑھ کر نہیں۔ بلکہ یہ عمل کا اہم ہو کر انسان کی حیرت و یاس کا سبب بنیں گے کہ اعمال میں حق و
 قبح نیت کی اچھائی برائی سے آتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نیتوں کے تفادیت و تضاد
 سے ایک ہی عمل کے تین مختلف نتیجے بیان فرمائے۔ فرمایا اگر گھوڑا باندھنا کسی کے لیے ابھر
 کا موجب کسی کیلئے پردہ پوشش اور کسی کیلئے گناہ کا سبب ہے۔ جو خدا کی راہ میں باندھنا ہے
 ابھر کا موجب اور اس کی چراگاہ میں رہی لمبی کہتا ہے۔ تو اس کے چرنے اور اونچائی پر چڑھنے
 پھرتے، قدموں کے نشان، لید کرنے اور پانی پینے (غرض ہر چیز کا) ثواب ملتا ہے،
 پردہ پوشش اس کیلئے ہے جو ضرورت کیلئے باندھنا ہے کہ خدا نے اسے دولت دی ہے
 تو اسے اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے مانگنی نہ پڑے۔ اور وہ اس کی گردن اور
 پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے۔ ادا کرتا ہے اور گناہ کا سبب اس کیلئے ہے جو ریا و فخر اور
 اہل اسلام سے دشمنی کیلئے باندھنا ہے۔

(صحیح بخاری باب شرب اناس والدواب من الانہار ص ۳۱۹)

(ترجمہ لفظی نہیں کیا گیا تقریباً مطلب کھو دیا گیا ہے۔)

بہر حال اعمال کا تمام تر مدار نیت پر ہے۔ جو کوئی دینی اعمال سے دنیا چاہتا
 ہے اسے علام الغیوب انکے بدلے دنیا ہی دے گا اور آخرت میں اللہ کے پاس
 کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اور ہر شخص خالصاً بوجہ اللہ اپنے اعمال کے پورے
 کو سرسبز کر لیا۔ وہ اللہ کے ہاں اس سے بدرجہا بہتر اجر و ثواب پائے گا اور سب سے

بڑھ کر رضا الہی سے ہمکنار ہو جائیگا۔ گویا نیت کے نتائج میں درمصر عالم میں ملے گئے۔
چنانچہ ایک بڑی اثر انگیز حدیث میں جسے بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
مرتبہ بیچر شش ہو کر گئے آقاؐ سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عدالت کیلئے نازل فرمائیں گے اور برائت
اپنی جگہ گھٹنے ٹیک دیگی اس وقت سب پہلے ان کی پیشی کا حکم ہوگا جو قرآن کے
عالم تھے اور جو جہاد میں مارے گئے تھے اور جو دولت والے تھے پھر اللہ تعالیٰ
عالم سے پوچھنیگا کہ کیا میں نے تجھ کو وہ سب کچھ نہیں سکھایا جو اپنے پیغمبر پر اتارا
تھا، تو تم نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا بار اہا میں شب در در سنائے
میں قرآن پڑھتا رہا خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ
جھوٹا ہے پھر خدا تعالیٰ فرمایا گیا۔ تو تو اس لئے کرتا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ تو
بڑا عالم اور قرآن خوان ہے۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا۔ (یعنی تو اپنا بدلہ پا چکا)
پھر دولت مند سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر دنیا کشادہ نہیں کی یہاں تک کہ تو
کسی کا محتاج نہ رہا عرض کریگا۔ کیوں نہیں اسے میرے رب! دریافت کریگا تو
میں نے جو کچھ تجھے دیا اس میں تو نے کیا کیا؟ جواب دے گا۔ میں الی استحقاق
کا حق ادا کرتا تھا۔ اور خیرات دیتا تھا۔ ارشاد ہوگا۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی
کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تو تو اس لیے یہ کرتا تھا،
تاکہ لوگ کہیں تو بڑا آدمی ہے۔ تو یہ نہیں دنیا میں کہا جا چکا (تو اپنا بدلہ پا چکا)
اس کے بعد وہ لایا جائیگا جو جہاد میں مارا گیا تھا۔ تو خدا تعالیٰ اس سے دریافت
کریگا تو کس بات کیلئے مارا گیا؟ کہے گا خدا بالو اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا
تھا۔ تو میں لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے فرشتے
بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ خدا کہے گا تو تو اس لئے لڑتا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر

کہیں۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

(سیرت النبی ص ۶۲-۶۳ جلد ششم)

(بحوالہ جامع ترمذی باب ماجاء فی الروایا والاعمال)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر بہت روئے پھر لو بے خدا اور اس کا رسول اسچلے۔ اور اس حدیث کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:-

مَنْ كَانَ يُؤَيِّدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

جو کوئی دنیا کی زندگی اور

وَيَنْتَعِمُ بِهَا

اس کی رونق چاہتا ہو

أَعْبَاهُمْ فِيهَا وَلَهُمْ

تو ہم اس کا عمل اسی دنیا

لَا يَخْشَوْنَ أُولَئِكَ

میں پورا کر دیں گے۔ بے کم

الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

دکھت . ان لوگوں کا

الْآخِرَةِ إِلَّا السَّوْءُ

آخرت میں کوئی حصہ نہیں

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا

مگر دوزخ اس دنیا میں

فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا

انہوں نے جو بنایا وہ مٹ

يَعْمَلُونَ

گی اور جو کیا وہ برباد

(ہود - ۲)

ہو گیا (سیرت النبی ص ۶۳)

غرض ہمارا ہر وہ عمل جو ذات الہی یا رضا سے الہی کے مقصد کے علاوہ ہماری اور کسی قلبی خواہش سے ملوث ہے۔ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق نہیں کہ اس کے سوا کسی دوسرے کا چاہنا اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں کہ اس کا بنتے ہوئے دوسرے کی طلب شرک ہے۔

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں خدا کا نہ ہو جو مسلمان ہو کہ

اسی لئے ریا کو متعدد احادیث میں شرک کہا گیا ہے چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :-

قال خذ رج علينا رسول
الله صلى الله عليه وسلم
و نحن نتذاكر المسيح
الدجال فقال الا اخبركم
بما هو اخوف عليكم
عندى من المسيح الد
جال فقلنا بلى يا رسول الله
صلى الله عليه وسلم
قال الشرك الخفى ان
يقوم الرجل فيصلي فيريد
صلوة لمباركي من
نظر رجله .
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶)

ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ ہم
آپس میں مسیح دجال کا تذکرہ کرتے
تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور
فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ
بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے
لئے مسیح دجال سے بھی زیادہ
خطرناک چیز ہے؟ ہم نے کہا
ارشاد فرمائیے۔ فرمایا شرک خفی
کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز کیلئے
کھڑا ہوا پھر نماز پڑھے مگر
اس بے پردے کہ کوئی شخص
اس کو دیکھ رہا ہو۔

بحوالہ ابن ماجہ
غور کیجئے۔ مسیح الدجال کا فتنہ وہ عظیم فتنہ ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء
مک اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے چلے آئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بھی اس امت کو اس مہیب فتنہ سے باریبار آگاہ کیا۔ جیسا کہ صحیح روایتوں سے
ثابت ہے۔ ہر دوزانہ زمانوں کے بعد زمانے کے اس عظیم فتنہ سے پناہ مانگی۔
لیکن اس قدر ہیبت ناک فتنہ سے بھی زیادہ خوفناک فتنہ ہمارے متقی میں ریا کو قرار

دیا کہ ریا ہی وہ مہلک آگ ہے۔ جو تلوپ میں نامعلوم طور پر وارد ہو کر اعمال کے خرمین کو جلا کر
 رکھ کر دیتی ہے

چنانچہ بعض عرفا کا قول ہے۔

ادراک الریا واصحاب ریا کا معلوم کرنا سیاہ
 من دبیب الغللة فی پتھر پر اندھیری رات میں
 لیلة الظلماء علی الجور چوٹی کے چلنے کو معلوم
 الاسود کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

(ادکما قال)

کہ اگر کوئی کام کامل خلوص نیت سے بھی شروع کیا سچا تو ہماری چھپی
 ہوئی نفسانی خواہش رنگیتی ہوئی آ کر ہمارے قلب کی گہرائیوں میں خفا پیدا کر دیتی ہے۔
 اور اغلباً استغفار یا توبہ میں اسی طرف اشارہ پایا جا رہا ہے۔

(واللہ اعلم)

وَاسْتَغْفِرْكَ بِكُلِّ خَيْرٍ اور معافی چاہتا ہوں میں
 اَرَدْتُ بِہٖ وَجْہَکَ تجھ سے براس نیکی کے بارہ
 فَمَا لَطَفَ فِیْہِ مَا لَیْسَ کہ کرنا چاہتا میں نے اس کو
 لَکَ . خالص تیسرے لیے پھر مل گئی
 اس میں وہ چیز جو خالص تیسرے
 لیے نہ تھی ۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو زیادہ کا خوف پہیم گریاں رکھتا
 تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں
 آئے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو مدغمہ مطہر کے پاس بیٹھے ہوئے روئے

ہوتے ہوتے پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا۔ اے معاذ کیوں مدد دے ہو۔ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی۔ جو مجھے دلا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ”دیر“ کا مقدر اس احصہ بھی شرک ہے۔ اور جس نے اللہ کے ولی سے عدوت کی اس نے اللہ تعالیٰ کو ٹرائی کی ہے پکارا۔ اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ (غیر معروف و غیر مشہور) پرہیزگار نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں جو غائب ہوں، تو (عدم شہرت کی بنا پر) تلاش نہ کیے جائیں اور اگر حاضر و موجود ہوں تو (عدم واقفیت کی بنا پر) نہ (دکرت میں) بلائے جائیں نہ قریب کیئے جائیں۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ اور وہ غبارِ کد اور اندھیروں (اغلیا تیرہ دنار یک مکان مراد ہیں) سے نکلنے میں۔

(مشکوٰۃ شریف بابت الرویا واسمہ)

ص ۴۵

حضرت شہداء ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ ایک دن وہ رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا۔ کیوں مدد دے ہو کہنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور پھٹی خواہش نفس میں مبتلا ہوجانے کا ڈر ہے۔ حضرت شہداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کریگی۔ آپ نے فرمایا وہ ہاں! وہ چاند سورج پتھر یا بت کو نہیں پوچھیں گے، بلکہ لوگوں کو دکھانے کیلئے عمل کریں گے۔

(مشکوٰۃ شریف ایضاً)

دیر اور عدم اخلاص کا یہی خوف تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کھٹا رکھتا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ منافق نہ ہوں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں تیس صحابیوں سے ملا ہوں جن میں سے ہر شخص اپنے پرہیزگار کا خوف کھاتا تھا۔ اور ان میں سے کوئی نہیں تھا جو اپنے کو جبریل

اور میکائیل کے ایمان پر سمجھتا ہوں

(صحیح بخاری باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ و یؤلا شیعر

جلد اول ص ۴

سرخیل جی مابین حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کا قول بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ نفاق کا خوف مومن ہی کھاتا ہے اور نفاق سے اپنے کو بڑی منافق ہی سمجھتا ہے۔
بخاری ص ۱۲

جلیل القدر تابعی ابراہیم تیمی فرماتے تھے ۔

مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي
الْأَخْشَيْنِ أَنْ
أَكُونَ مُكَذِّبًا
میں جب کوئی دہا قول
اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں
تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹا نہ

(بخاری ص ۱۲) یوں

محکمین کا یہ گریہ و خوف اس چیز کو اجاگر کر رہا ہے کہ نیت کا حسن و اخلاص ہی اعمال کی جان ہے ۔ اور جہاں یہ آئینہ مکدہ ہوا ۔ اعمال کا بہتا ہوا دریا سراپکے ذروں میں تبدیل ہو کر رہ گیا کہ دلوں کی پوشیدگیوں کو جاننے والے آقا کی باریک بین نگاہیں قلوب کی انتہائی گہرائیوں پر نظر رکھتی ہیں جیسا کہ اسرار عبودیت کے سب سے بڑے نقاب کشا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان
اللہ لا ینظر الی صورکم و
اموالکم وکن ینظر الی قلوبکم
واعمالکم
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے ، کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ اللہ عز و جل تمہاری
صور توں اور مالوں کو نہیں دیکھتے
بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو

صحیح مسلم ص ۳۱۱ جلد دوم دیکھتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۱

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا اور دکھانے کی بڑی متعدّد طریقوں سے ذہن نشین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

عليه وسلم قال الله تعالى

إِنَّا اغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ

الشُّرَكِ مِنْ عَمَلٍ

عَمِلُوا شُرَكَاءَ فِيهِ مَعِيَ

غَيْرِي تَرْكُوتُهُ وَشُرَكَاهُ

وَفِيهِ دَوَائِيهِ فَإِنَّا

مِنْهُ بَرِيٌّ هُوَ

الَّذِي عَمِلَهُ

(مشکوٰۃ ص ۲۵۱ بحوالہ مسلم)

کولات مار دی (اور دوسری

روایت میں ہے) میں اس

سے بری ہوں۔ وہ (میں)

اس کیلئے ہے جس کے لئے اس نے

عمل کیا۔

اس شرک سے مراد ریاء ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ شہادین اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا۔

من صلی یرائی فقد	جس نے دکھا دے کا نماز
اشترک ومن صام یرائی	پڑھی جس نے دکھا دے کا روزہ
فقد اشترک ومن	دکھا شرک کیا جس نے دکھا دے
تصدق یرائی فقد	کا صدقہ کیا اس نے شرک
اشترک	کیا۔

(مشکوٰۃ باب الریاء والسمہ)

(بحوالہ احمد)

محمود ابن بلیہ رضی اللہ عنہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ فرمایا:-

ان اخوف ما اخاف	میں سب چیزوں میں
علیکم الشوک الا صغر	سب سے زیادہ جس چیز
قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما الشوک	کا خوف تم پر رکھتا ہوں
الا صغر قال الریاء	وہ شرک اصغر یہ صحابہؓ
ایضاً	نے پوچھا یا رسول اللہ
	صلی اللہ علیہ وسلم شرک
	اصغر کیا ہے فرمایا دکھا دے

امام سیہتی نے شعب الایمان میں اس روایت پر یہ الفاظ بھی مستزاد

کے ہیں کہ

يقول الله لهم يوم يحازي
العباد باعمالهم. اذ
هبوا الى الذين كنتم
تلاؤن في الدنيا فانظرو
اهل تجدون عندهم جزاء
وخيرا
(مشکوٰۃ ایضاً ص ۴۵۶)

جن لوگوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائیگا
یعنی نیا تہیکے دن اللہ رب العزت
ان دینا کاروں سے کہے گا۔ جاؤ ان
لوگوں کے پاس جنہیں تم دنیا میں دکھاتے
تھے (جن کے دکھانے کیلئے تم نام نہا
نیا اعمال کہتے تھے) پس دیکھو کیا تم
ان کے پاس انکا بدلہ اور خیر پاتے ہو

(یعنی انکے پاس سے کچھ بھی نہ ملے گا)
اور تمہارے اعمال کی نہی اکارت جائے

گئے

کیونکہ اعمال کی جزا سزا کا انحصار قلبی ارادے اور نیت پر ہے اور جب نیت
ہی فاسد ہو اور ذاتِ علیم وخبیر کے سوا کسی اور کو اپنے عمل کا مقصد گردانا ہو تو ظاہر ہے کہ دلوں
کے بھید جاننے والی ہمتی ان اعمال کی جزا وہی دیگی جس کیسے عمل کرنے والے نے عمل کیا ہوگا۔
پہا خیر جس دن دلوں کے بھید کھل جائیں گے۔ اندرون کی کینچیں شہود کا جامہ پہن لیں گی
پوشیدگیوں کا ہر مو جائیں گی۔ اور اعمال نیتوں کے قالب میں تمثیل ہو کر سامنے آجائیں
گے تو جنہوں نے ماسوا کے دکھانے یا سنانے کیلئے ناشی اعمال سے اپنے کو آرائش
دی ہوگی۔ عرصہ محشر میں ان دل کے کھوٹوں۔ نام و نمود کے متوالوں کے اعمال جو صرف
دکھا دے کی پرچھائیاں تھیں، لوگوں کے سامنے ان کی بے ایمانی و غدار کی کا منظر
ہر کرانگی روئی کا سبب بنیں گے (العیاذ باللہ)
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

عن جندب قال قال رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
 سمع سمع اللہ بہ ومن
 یؤتی یؤتی اللہ بہ
 جن لوگوں حضرت جندب رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سنا
 شہرت کیلئے، اپنے اعمال کو مشہور کیا۔
 (مشکوٰۃ ص ۱۸۱ باب اریا وسلمہ ص ۹۶) اللہ تعالیٰ (جس) اس کے اعمال کی
 (حقیقت و باطن) کی تشریح کریں گے۔ تاکہ اس کی رسولی و نصیحت ہو (اُسی طرح) جس نے
 لوگوں کے دکھاوے کے لیے (بغیر اخلاص) سے عمل کیئے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو
 اس کے اعمال کی (حقیقت اصلی) سے مطلع فرمائیں گے۔ (تاکہ وہ اپنی نیت فاسد
 کی بنا پر مدد نہ ہو)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس سے زیادہ تشریح آتی ہے۔
 پچنانچہ محدث بیہقی شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں۔

إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَمِعَ
 النَّاسَ بِعَمَلِهِ سَمِعَ اللَّهُ
 بِهِ أَسْمَاعَ خَلْقِهِ وَحَقَرَهُ
 وَصَغُرَ
 (مُشْكُوٰةُ بَابِ اَرِيَا وَسَلَمَهُ)
 اور اس کا خبیث اندرون پہنچا دیں گے۔ اور اسے حقرو ذلیل کر دیں گے
 (العیاذ باللہ)
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔
 جو شخص لوگوں کو اپنے اعمال (اپنی
 شہرت اور نیک نامی کے لئے) سناتا پھرتا
 ہے۔ اللہ رب العزت لوگوں کے
 کانوں تک اس کے (اعمال کی حقیقت)

نیات و ارادے ہی اعمال کی جان کا حکم رکھتے ہیں کہ ہر کام کی اچھائی برائی ان کے
 مقاصد کے پیش نظر ہی کی جاسکتی ہے کسی کو لاکھوں روپے اور زر و جواہر کے ڈھیر صرف نام

و نمود، شہرت اور ذاتی نفع کے لئے دے ڈالنے سے کسی صاحبِ حاجت اور بے نوا کو اخلاصِ نیت سے چند پیسے و دینے بہتر ہیں کیونکہ ایک صرف اپنے خاد کیلئے مدد کر رہا ہے اور اسکی داد و بخش میں مدد کی اصلی روح مفقود ہے اور دوسرا اپنی ذات کو بھلا کر وجہ اللہ انسانی ہمدردی کے لئے کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرتِ سلیمہ کی نظر میں یہ دوسرا پسے سے بدرجہا فائق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بغیر اخلاص کے کثیر عمل سے بہتر ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَخْلَصُ دِينِكَ يَكْفِيكَ
اَقْلَلُ مِنْ الْعَمَلِ
دین میں اخلاص پیدا کر تو
تھوڑا عمل تجھے کافی ہو جائیگا۔

اس دنیا میں بھی نیک نیتوں اور مخلصوں کے اعمال کی قدر کی جاتی ہے۔ اور دیکھا کروں کے اعمال کے ”بیوت العنکبوت“ چند دن میں کالعدم ہو جاتے ہیں کہ روحِ عملِ نیت ہے۔ نیتِ حقیقی خالص ہوگی اعمال میں اتنا ہی نمود ہوگا۔ نیت اپنی قوت سے اعمال کی بقا کا ضامن بنتی ہے۔ نیات میں خلوص و حسن سے حقیقی قوت پیدا ہوگی اعمال میں اتنی ہی پائیداری آتی چلی جائیگی۔ اور نیت جس قدر تصنع اور ریاء سے ملوث ہو کر مضحل ہو چکی ہوگی۔ اعمال کا ثبات و قرار بھی اس قدر کم ہوتا چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کے نخلِ نیت کو کفر و فتنہ نے جڑ سے کھوکھلا کر دیا، ان کے اعمال قطعاً بے جاں و بے وزن ہو کر تلے کے قابل بھی نہ رہیں گے۔ گویا انہیں اپنے وہ اعمال کتنے ہی خوش نما معلوم ہوتے رہیں جیسا کہ آیت ذیل سے متبادر ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قُلْ هَلْ مَنَعَكُمْ اَنْ تَزْكُرُوا الْاَشْيَا الَّتِي كُنْتُمْ تُفْسِدُونَ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنْهُمْ مُّحْسِنُونَ

صُنْعًا هَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَايَهٗ
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا تُنْفَعُ لَهُمْ يَوْمَ اِنْقِيَاطِهٖ
وُزْنًا ط (الکہف ص ۱۲)

آپ ان سے کہیے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتلائیں جو اعمال
کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کئی
کوائی محنت سب گئی گذری ہوئی۔ اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال
میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب
کی آیتوں کا (یعنی کتب الہی کا) اور اس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر
رہے ہیں۔ سو اس لئے ان کے سارے کام غارت ہو گئے۔ قیامت
کے دن ہم ان کے (بیک) اعمال کا ذرہ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جب بے روح، گلی بے رنگ و بو کی تدبیر میں کچھ
بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ اعمال جو اللہیت و اخلاص و حسن نیت کے جوہر سے
خالی ہیں بے جان لاشوں کی مثل ہیں۔ جو امتداد زمانہ اور مرد و ایم سے اپنے خبث باطن کی بنا
پر زیادہ سے زیادہ خراب و متعفن ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ان کا ظاہری حسن و صورت کسی کام نہیں
آتا۔ ان کا وجود عدم اور ان کا جسم تو وہ خاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ جسے اس عالم میں باد
حادث اڑا لیجاتا ہے۔ اور آنے والے نئے حقائق کا انکشاف ہوا منسوخ و بنادے گا۔
ارشاد ہوتا ہے :-

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ كَوْمَآءٍ اِشْتَدَّتْ بِهِنَّ الرِّيحُ
فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِثًا كَسِبُوْا اَعْلٰی
شَيْءٍ ط ۰ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۔

(ابراہیم ص - ۳ -)

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ لاکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دین تیزی کے ساتھ ہوا اڑا جائے۔ ان لوگوں نے جو عمل کیے تھے۔ ان کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔ یہ بھی بڑی دور دراز کا گمراہی ہے۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت امام تھانویؒ)

کر کفر و ففاق کے ساتھ اخلاص و حسن نیت جو کہ اعمال کی جان ہے۔

جمع نہیں ہو سکتا۔ کہ اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اعمال کی بجا آوری کا نام ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ بجا آوری مطابق اور موافق احکام ہو۔ اس لئے کافر و منافق کا کوئی عمل اخلاص شرعی کا حامل ہو ہی نہیں سکتا اور اسی طرح خلاف شریعت اعمال بھی مطلوبہ اخلاص سے یکسر خالی سمجھے جائیں گے۔ گویا اخلاص کا دائرہ حدود اللہ اور سنت نبویہ کے محیط سے باہر نہیں۔ یعنی جس طرح اعمالِ صالحہ (امورِ شرعیہ) کی قبولیت کے لئے اخلاص ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاص کے قبول کیلئے اعمالِ صالحہ کا ہونا ضروری ہے گویا قبولیتِ اعمال کے لئے اخلاص و عملِ صالح لازم و ملزوم ہیں اور ایک کے بغیر دوسرا نتائج کے اعتبار سے معتبر نہیں۔ غرض اعمالِ صالحہ کے لئے خلوص نیت روحِ حمد کا حکم رکھتا ہے جس طرح حمد بے روح کبھی کام کا نہیں اسی طرح اعمالِ غیر حسن نیت کے بے فائدہ بلکہ وبال ہے۔ اور ان کی بقا اور وزن کے لئے اخلاص کا وجود ضروری ہے :-

اعمال میں نیت کا یہی وزن ہے جس کے متعلق حقیقتِ اسلامیہ کے بڑے راز دان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

واعلم ان النية روح والعبادة جسد ولا حياة

للجسد بدون الروح ، والروح لها حياة بعد مفارقة
 البدن ولكن لا يظهر آثار الحياة بدونهم ولذلك قال
 الله تعالى نينال الله لحوها ولا دماؤها ولكن
 يناله التقوى منكم وقال الرسول الله صلى الله عليه
 وسلم إنما الأعمال بالنيات وشبهه النبي صلى الله
 عليه وسلم في كثير من المواضع من صدقت
 نيته ولم يتمكن من العمل لما نفع بمن عمل ذلك العمل
 كالمأفوق والمريض لا يستطيعان ورداً وطباً عليه
 فيكتب لهما كصادق العزم في الانفاق وهو يخلق
 يكتب كأنه انفق واعنى بالنية المعنى
 اباعث على العمل من التصديق بما اخبر به الله
 على السنة الرسل من ثواب الميطع وعقاب العاصي
 اودع بامثال حكم الله فيما امر ونهى ولذلك
 وجب ان ينهى الشارع عن الريا والسمعة
 ويبين ما ديهما اصرح ما يكون ضمن ذلك قوله
 صلى الله عليه وسلم ان اول الناس يقضى
 عليهم يوم القيمة ثلاثة رجل قتل في الجهاد
 يقال هو رجل جوى ورجل تعلم العلم وعلمه
 يقال هو عالم ورجل انفق في وجوه الخير
 يقال هو جواد فيومريبهم قسيحرون
 على وجوههم الى النار وقوله صلى الله

علیہ وسلم عن اللہ تعالیٰ انا اغنی الشکرکار
 عن (شکر من عمل عملاً) (شکر فیہ غیر ی
 ترکته وشرکھ) (ما حدیث ابی ذر رضی اللہ
 عنہ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ارایت الرجل یعمل العمل من الخیر ویحمدک الناس
 علیہ قال تلک عاجل یشری المومن فمغناہ
 ان یمیل العمل لا یقصد بہ الا وجہ اللہ
 فینزل القبول الی الارض فیحیئہ الناس و
 حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قلت
 یا رسول اللہ بینا انا فی بیتی فی مصلائی اذ
 دخل علی رجل فاعجبت فی الحال الّتی رانی
 علیہا قال رعدک یا ابا ہریرۃ لک اجر ان اجر
 السرو اجر العلانیہ فمکناہ ان یتکون الاعجاب
 مغلوبا لا یبیش بحجرہ علی العمل واجر السر
 اجر الاخلاص الذی یتحقق فی السرو
 اجر العلانیہ اجر العلان دین اللہ و
 اشاعت السنۃ الراشدہ

(رحمۃ اللہ الباقیۃ جلد دوم مباحث الاحسان)

جان نو کہ عمل کی روح نیت ہے۔ اور عبادت اس کا
 بدن ہے۔ اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی اور روح
 کو مقارنت بدن کے بعد (بھی) (ایک قسم کی) زندگی نہ رہتی ہے۔ لیکن

زندگی کے آثار بغیر بدن کے پرے طرد پر ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (قربانی) کے بارے میں فرماتے ہیں ”قربانی کا گوشت اور خون اللہ کو تمہیں پہنچتا۔ لیکن تمہاری پرہیزگاری کا جذبہ اس تک پہنچتا ہے“ (جو کہ اصلی مقصود ہے لیکن کیونکہ ہر ہیزگاری جو کہ قلبی اتفاق کا نام ہے بغیر ظاہری صورت کے کمال طرد پر تحقق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ظاہری قربانی لازم آئی ورنہ اصلی مقصود الہی تقویٰ و نیت ہے) اور اسی وجہ سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اور اسی کی بنا پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو۔ لیکن اس کو عمل کرنے سے کوئی چیز مانع ہو۔ اسے عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسے مسافر و مریض اگر ان کو صحت و اقامت کے وقت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا۔ اور اب ان سے سفر و بیماری کی مجبوری کی وجہ سے وہ عمل نہیں ہو سکتا۔ تو بدستور ان کے نامہ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا یا (اس شخص کی مثال ہے)

جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا پختہ و مستحکم ارادہ رکھتا ہے۔ مگر وہ تنگ دستی کے سبب سے نہیں کر سکتا۔ (اپنی نیت کی بنا پر) وہ شخص خرچ کرنے والے کے برابر لکھا جاوے گا۔ اور نیت سے ہماری مراد وہ معنی (مدعا و مقاصد) ہیں جو عمل کا (سبب اور باعث بنتے ہیں) اور عمل پر انسان کو براہِ نیتہ کہتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین علیہم السلام کی نہانی اطاعت کہنے والوں کا جو ثواب اور نافرمانوں کا جو عذاب بتایا ہے۔ اس کی تصدیق کرنی، یا خدا تعالیٰ کے امر و نہی کی بطیب خاطر

بجا آدمی سے خوش ہونا (کہ انسان میں نیک اعمال کی طرف مبادرت کرنے
 کا ارادہ پیدا ہونے کی اصل یہی اسباب ہیں۔ انہی کی بنا پر نیکی کی خواہش
 اور بدی سے نفرت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا مال امر پر خوشی حاصل
 ہونے کی عادت پیدا ہوتی ہے) (جو کہ خالص نیت کی جڑ ہے) اسی وجہ
 سے (یعنی نیت کو صاف کرنے کی ضرورت کی بنا پر) شارع علیہ السلام
 کو ریاء و سمع (دکھاؤ اور ستانا) سے روکنا پڑا اور ان کی برائیوں کو مٹانا
 طوط پر بیان کرنا لازم ٹھہرا۔ چنانچہ انہی وجوہات کی بنا پر (کہ اللہ کو خالص
 نیت مقبول و منظور ہے۔ اور اعمال میں حقیقتاً نیت ہی مقصود ہے) دیا
 اور محمدؐ کی برائی کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے
 کہ لوگوں میں اول جن پر قیامت کے دن حکم کیا جائے گا وہ تین شخص ہیں۔
 ایک تو وہ شخص جو جہاد میں اس لیے شہید ہوا کہ لوگ اسے دیکھیں۔ دوسرا
 وہ شخص جس نے پڑھ کر علم دوسروں کو اس نیت سے سکھایا۔ تاکہ لوگ
 اس کو عالم بتائیں۔ تیسرا وہ شخص جو نیکی کے مصارف پر مال خرچ
 کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اسے سخی کہیں۔ ایسے لوگوں کو (ان کی فساد
 نیت کی وجہ سے) جہنم میں ڈالے جانے کا حکم کیا جائے گا۔ اور پھر
 وہ چہروں کے بل دوزخ کی آگ گھسیٹے جائیں گے (ریاء و سمع کی
 مذمت میں) دوسری وہ حدیث قدسی ہے۔ جس میں ارشاد باری ہے۔
 میں سب شریکوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں جس آدمی نے میرے لئے
 کبھی کو شریک کر کے کوئی کام کیا۔ تو میں نے اس کو مع اس کے شریک
 کے (ناراض ہو کر) چھوڑ دیا۔

(اور نيات کی حقیقت کے بارے میں) جو حدیث حضرت ابی ذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا، ایمان والے کی یہ پہلی نشان ہے ۵
 اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ کے لئے عمل کرتا ہے اور اس کا مقصد نمود و نمائش یا کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ زمین پر اس کے لئے قبولیت (اللہ رب العزت ملا علی اور خلیفہ القدس کی رضا مندی کی وجہ سے) نازل ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ (جس میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں اپنی جائے نماز پر بیٹھا تھا کہ اسی دشنام میں ایک آدمی میرے پاس (غیر متوقع طور پر گیا) آگیا۔ میری طبیعت اس بات پر خوشی ہوئی کہ اس شخص نے مجھے اس (عبادت کی) حالت میں دیکھا (یا رسول اللہ کیا یہ عجب قبیح تو نہیں) آپ نے فرمایا اے ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ پر اللہ کی رحمت۔ تم میرے لئے دراجر ہیں۔ ایک پوشیدہ لہجہ کا اور ایک ظاہر کا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محبوب (انسانی جو قبیح ہے) مغلوب ہو۔ اور صرف محبوب انسانی عمل کا باعث و سبب نہ ہوا ہو۔
 (کہ اعمال میں نیت مقدم ہے۔ یعنی اگر نیت شہتہ پر خوشی ہونے کی نہ تھی۔ بلکہ صرف اللہ رب العزت کے لئے کام کیا گیا تھا۔ اور بعد میں لوگوں کو معلوم ہوا۔ اور فطرتاً ہی اس اچھی حالت پر خوشی حاصل ہوئی۔ تو یہ بُرا نہیں کہ برائی تو اس وقت ہے جب مقصد ہی نیک اعمال شہتہ طلبی ہو۔

اجراسر (یعنی پوشیدگی کے اجر) سے اخلاص کا ثواب مراد ہے کہ
 اخلاص ایک پوشیدہ چیز ہی تو ہے۔ اور اجر العلامیہ (اجر
 ظاہر) سے مراد یہ ہے کہ اخلاص کو اللہ کے دین کے بلند کرنے اور سنت راشدہ
 کی اشاعت کا اجر تجھے ملے گا۔ (کہ اس شخص نے اس حالت میں دیکھ کر یہ
 معلوم کر لیا ہو گا کہ اللہ والے خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اسی کے ساتھ
 مشغول رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ اس کی اصلاح کا سبب بھی
 بن جائے اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اسلام خیر تو ہو ہی گیا۔ جو
 مقصد ہے۔)

شامہ صاحب قدس سرہ کے مسند رجبہ بالا مباحث سے یہ حقیقت
 اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اعمال پر نیت کی ہی روح کلیتاً ساری و طاری
 ہے۔ اور نیت نے عمل کو نور و ظلمت کے جس رنگ میں رنگ دیا ہے۔
 انتشارے راز کے دن اعمال انہی نیت کے رنگین بہادوں میں ظاہر ہوں گے۔ غام
 یقوتوں والے خفاؤ (پوشیدگی) کے اس اظہار و اعلان کے بعد اپنی خبیث
 باطن اور برے ارادوں کو چھپانے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور دائمی خفا
 اور ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

يَوْمَ تَبْلُو سُرُورًا فَمِنْهُم مَّنْ قُوَّةٌ وَلَا نَاصِرٌ

(الطارق - ۱)

جس روز سب کی تلخی کھل جائے گی۔ پھر اس
 انسان کو نہ تو تو خود (مدافعت) کی قوت ہو گی۔
 نہ اس کا حمایتی ہو گا۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی)

اور جنہوں نے اپنے نیتوں کے سرچشپے کو ہر قسم کی آلائش اور باطنی گندگی سے پاک
 و مستزکھا ہوگا۔ اور اپنی نگاہیں۔ ذات قدوس پر جاکر اپنی نبات کا مقصد و محور اسی کو قرار دیا
 ہوگا۔ ان کے اعمال کی سحر آئی اور پاکی ان مستشفات موتی کے دانے کی طرح ہوگی۔ جن
 جن کا ظاہر و باطن اپنی جلیزیت اور شین و خوبی کی بنا پر دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ و گمراہ ہوگا۔
 اور وہ فرحان و خندان اپنے اعمال نامے اس ہنگامہ دار و گیر میں انتہائی انبساط اور
 کمال طمانیت سے لوگوں کو دکھاتے پھریں گے۔ اور پھر سرمدی فوز و کامرانی سے
 ہمکنار ہو جائیں گے :-

يَوْمَئِذٍ تُقَرَّبُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ
 فَأَمَّا مَنْ أَوَّلَ كِتَابِهِ الْيَمِينُ يَقُولُ هَٰؤُلَاءِ
 أَشْرَاقُ مَا كُتِبَ عَلَيَّ فَلَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيهِ
 فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ
 قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ
 فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۖ

(احقاد - ۱)

اس دن ماننے کیے جاؤ گے چھپنے والے تمہاری کوئی چھپی بات
 صبحوں کو اس کا کھانا ہانپتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ بھائی پڑھو میرا
 لکھا۔ (احقاد مر میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب
 سو وہ ہیں میں مانتے گزراں میں اپنے باغ میں۔ جس
 کے میوے جھکے پڑے ہیں۔ کھاؤ اور پیو۔ بدلہ
 اس کا جو آگے بھیج چکے ہو۔ تم پہلے دنوں میں۔

(ترجمہ شیخ الہند قدس سرہ)

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

إِنَّكُمْ لَذَٰئِقُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۖ مَا تَحْشَوْنَ
إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ الْأَعْيَادُ لِلَّهِ الْمُخْلِصِينَ
أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ فَوَاقِهِمْ وَهُمْ
مُكْرَمُونَ ۚ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ عَلَى سُرُرٍ
مُتَقَابِلِينَ ۚ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ
بَيضًا وَلَذِئَّةٍ لِلشَّرْبِ بَيْنَ ۚ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ
يُنْفَرُونَ ۚ وَعِنْدَهُمْ قُصُورَاتُ الْطَّرِيقِ ۚ
كَأَنَّهُمْ بِبَيْضٍ مَكْنُونٍ ۚ

(والصفت ۲ -)

بے شک تم کو چکھنا ہے۔ عذاب دردناک اور وہی بدلہ
گے جو کچھ تم کرتے تھے۔ مگر جو بندے اللہ کے لئے چنے
ہوئے۔ وہ لوگ جو ہیں۔ ان کے واسطے روزی ہے۔
مقدر، یوے اور ان کی عزت ہے۔ نعمت کے باغوں
میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے۔ لوگ یہ پھرتے
ہیں۔ ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا سفید رنگ،
نرو دینے والی پینے والوں کو، نہ اس میں سرسبز
ہے اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں گے۔ اور ان کے
پاس میں عذیبیں نیچے نگاہ رکھنے والیاں۔ بڑی آنکھوں
والیاں۔ گویا وہ اللہ سے ہیں چھپے دھرے۔

(ترجمہ شیخ الہند)

سورہ احقافہ کی مذکورہ بالا آیتوں میں ”لا تخفی منکم خافیہ“ کے الفاظ سے گویا اس طرف اشارہ پایا جا رہا ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دے اپنے ہاتھ میں اعمالِ ناسی و دیگر لذتِ برکات و برائعات سے نوازا جائیگا۔ ان کی چھٹی باتیں، ان کا اندرونِ باطن جس وقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیں گے۔ تو ان کا اخلاص اور صدقِ باطن ہی ہوگا۔ جو ان کے اس اعزاز و اکرام کا باعث ہوگا کہ بغیر انہوں کی سچائی کے کوئی عمل قابلِ اتقائے نہیں (واللہ اعلم)

اسی طرح سورہ الصافات کی نقل کردہ آیتوں میں اخروی فوز و کامرانی کے سزاوار وہی چنے ہوئے بندے (مخلصین) ہیں جن کے دل میں اخلاصِ راجح چمکا ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں ہر نیکی کی قبولیت کی شرط اول اخلاص ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراخِ ص کے اسی اہمیت کے پیشِ نظر پورے دین کو ہی اخلاص کا مترادف قرار دیا ہے۔

— کہ جو طریقہ زندگی رحمتِ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے عالم میں بھیجا گیا۔ وہ اپنے قلبی و روحانی نور سے ہی اجسادِ ارجام کو منور بنا کر عالم کو لقیۃ نور بنانے والا ہے۔ یہ قلب و باطن کی صفائی و پاکیزگی سچائی و اخلاص ہی ہے۔ جو انسان کے اعضا و جوارح میں خالق کائنات کے اوامر کی قبولیت پیدا کر کے اسے ملائکہ کے فیضان قبول کرنے کے قابل بنانے اور رضا و قرب کی انتہائی منازل تک پہنچانے کا عادی سبب ہے۔

زبانِ نبوت شہادت دیتی ہے کہ

سن لو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوگا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا اور جان رکھو کہ وہ دل ہے۔
(بخاری و مسلم)

الخضر ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی سراپا دل ہی دل
 تو ہے جس کے نور ہونے میں کاشائے عالم کی روشنی اور جس کے بجھنے میں کرۂ ارضی کی
 تاریکی ظلمت مضمر ہے۔ قلوب کی زندگی کا نور صدق و اخلاص کا وہ عمیق جذبہ
 ہے جو انسان کو ایقان و عرفان کی دولت سے سرفراز کر کے بارگاہِ قدس کی
 نزدیکی کا سبب بنتا ہے۔ قرب الہی کا زینہ نبویؐ زندگی کی کلید، اخروی فوز و
 فلاح کا سبب و نیاوی کامیابی کا راز صرف اخلاص ہی تو ہے جس کی
 عمومیت عالم کا گہوارہ رحمت اور انسان کو فرشتہ بنا سکتی ہے۔ جس
 خوش نصیب کو یہ دولت ہاتھ آگئی۔ فوز و کسائی کے انتہائی مدارج پر جا پہنچا
 یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی تشکیل میں حسن نیت و اخلاص
 کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ قدم قدم پر اپنی نیتوں کی نگرانی اور قلبی کیفیتوں کی دیکھ
 بھال کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ آج جب کہ نبوی زندگی کی تشکیل ہماری زندگیوں
 میں عمومی طور سے ٹوٹ چکی ہے۔ اس مبارک زندگی کی طرف عود و اس کی عمومیت
 بھی نیتوں کی اصلاح اور اخلاص پر موقوف ہے کہ عظیم خبر و آقا کی بارگاہِ قدس سے
 جو ملتا ہے۔ قلوب کی کیفیتوں کو ہی (عادتاً) دیکھ کر ملتا ہے۔ پس جس قدر دل کے آئینے
 صدق و اخلاص سے روشن ہونگے۔ اسی قدر عالم قدس کا فیضان نصیب ہو کر نبوی
 زندگی کی راہیں کھلیں گی۔ اور ظاہر و باطن «حقیقت محمدی» سے مستفیض ہوتا چلا جائیگا
 کہ کوئی نہ کا حاصل حضور ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی ہی تو ہے۔ جس کی ایک اداسی
 جان جا کر بھی نصیب ہو جائے تو خدا کی قسم کامیابی ہی کامیابی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تبلیغ

۱

دعوت

..... اور اس کے تقاضے

امت محمدیہ امت مبعوثہ ہے | حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کا آخری پیام انسانیت

کے نام لے کر آئے۔ اور آپ کے نائب و جوارح کی حیثیت سے آپ کی امت کو اس پیغام کا حال و داعی بنایا گیا۔ اور اس دعوتی ملت کے وجود و قیام و بقا کو اسلام کی دعوت و جہد و محنت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ امت محمدیہ موعودہ امت مبعوثہ۔

ہے۔ جس کا مقصد و عالم میں برپا کئے جانے کا مدعا و دعوت الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ نصوص قرآنی اور احادیث کثیرہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

آیہ کریمہ :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَلَكُمْ مَنَونٌ بِاللَّهِ .
(آل عمران - ۱۱)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے سامنے
کے لئے نکالی گئی ہے۔ تم لوگ نیک
کاموں کو بتلاتے ہو۔ اور بُری باتوں
سے روکتے ہو۔ اور اللہ تمہاری پراپان
لائے ہو۔

اس بحث کا اعلان ہے۔

اُمّت کافرِ بیضہ

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس امت کا بہترین و خیر
امت ہونا اس کے داعیانہ مقام اور امر بالمعروف

و نہی عن المنکر ہونے کی حیثیت سے ہے۔

بقول امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ :-

مَوْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ بِسَبَبِ كُفَاكُمْ
أَمْرِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَا
هِيَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶)

تمہیں خیر امت تمہارے نیکی کا حکم
دینے والے اور بُرائی سے روکنے
والا ہونے کے سبب سے بنایا گیا
ہے۔

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے :-

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى
اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي
(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے
کہ یہ طریق ہے میں (لوگوں کو توحید)
خدا کی طرف اس طر پر بلاتا ہوں۔ کہیں

دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میری

فرمانبرداری کرنے والے بھی

علامہ ابو بکر جصاص رازی اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

فیہ بیان افہ صعو ث بد عاء
الناس الی اللہ عز وجل علی بصیرۃ
من امرہ کانه یبصر بعینہ وان
من اتبعہ فذلک سبیلہ فی
الدعاء الی اللہ عز وجل وفیہ
الدلالۃ علی ان المسلمین
دعاء الناس الی اللہ تعالیٰ
کما کان علی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ذالک

اس آیت میں بیان ہے کہ آپ لوگوں
کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے
کیسے دعوت کئے گئے ہیں۔ اس
طرح کہ آپ اپنی دعوت (دین) کے
بارے میں پوری بصیرت و روشنی رکھتے
ہیں۔ گویا اس کی (حقانیت و حقیقت)
کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔
اور جو آپ کا متبع ہے۔ وہ بھی
اللہ تعالیٰ کی طرف اسی بصیرت سے
جاتا ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے۔
کہ مسلمان بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی
طرف اسی طرح بلانے والے ہیں جیسے

(احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲)

کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری تھی۔

مفسرین کثیر دیکھتے ہیں :-

یقول اللہ تعالیٰ (الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم والی
الثقلین الحین والانس امراً
لہ ان یخبر الناس ان ہذہ

اللہ تعالیٰ اپنے ثقلین (یعنی) جن دنوں
کی طرف مبعوث رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ اے
لوگوں کو خبر دے دیجئے کہ لا الہ الا اللہ

سبیلہ ای طریقہ ان لا الہ الا اللہ لا شریک لہ یدعوا الی اللہ بہما علی بصیرۃ من ذالک و یقین و برہان و کل من (تبعہ) یدعوا الی ما دعا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی بصیرۃ و یقین و برہان عقلی و شرعی .

وعدہ لا شریک لہ کی شہادت کی طرف دعوت ہی ان کا راستہ ، طریقہ مسک اور سنت ہے . اس شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس پر دلیل و بصیرت ، یقین و برہان رکھتے ہوئے جاتا ہوں . اور ہر وہ شخص جو ان کا متبع ہے . اسی بات کی طرف بصیرت و یقین کے ساتھ دعوت دیتا ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے .

(تفسیر ابن کثیر ۲/ ۴۹۶ ص ۲۷۱)

گویا آپ کے اتباع کا لازمہ آپ ہی کی طرح یقین و بصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ میں مشغول ہونا ہے . اسی ذمہ داری کے پیش نظر خاتم النبیین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اس داعیانہ طرز پر فرمائی تھی کہ امت دین کی حامل اور داعی بن کر اللہ تعالیٰ کے پیام کو آپ کی نیابت میں قیامت تک پورے عالم کو پہنچاتی رہے بقول علامہ ابن حیان الاندلسی کے .

”پوری دنیا کو خیر کی ، کفار کو اسلام کی اور نافرمانوں کو اطاعت کی دعوت دیتی رہے“

(المجموع جلد ۳ ص ۲۷۱)

امت کے اس داعیانہ منصب و حیثیت کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ

سید اللہ سید سلیمان ندویؒ اور بعض دیگر علماء نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتؐ ثانیہ قرار دیا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت، عالمگیر و دائمی بعثت، قرآن کی ادیت کا منطقی لازم ہی یہی تھا۔ کہ آپ کی امت آپ سے فیض پا کر آپ کی ہدایات و تعلیمات کو اپنا کر آپ کے جوارح اور نائب کی حیثیت سے ہمیشہ دعوت کا فریضہ انجام دیتی رہے۔ اور جملہ اقوام و ملل کا رشتہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و احکام سے استوار کرتی رہے۔ تاکہ قیامت تک دعوت کا الہی نظام قائم و دائم رہے۔

محبت الوداع کے موقع پر آپ کا یہ بلیغ فقرہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

آلَا یَسْلُغُ شَاحِدُکُمْ	تم میں جو حاضر ہیں غائب تک
غَائِبُکُمْ لَا نَبِیَّ بَعْدِی	(میرا پیام) پہنچا دیں کہ میرے
وَلَا اِمَّةَ بَعْدَکُمْ	بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور تمہارے
الْبَدِیَّةِ وَالْاٰخِرَةِ بِحُجَّةِ الْاَنْبِیَّاءِ	بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔

۲۵۴

صحیح بخاری و جامع ترمذی کی ایک روایت میں آپ کا قول ”وَلَا یَسْلُغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ“ نقل کر کے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر بیان کیا گیا ہے

فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بَیْدَہُ (نہا)	خدا کی قسم یہ کلمات حضور صلی اللہ صلی
لَوْصِیَّتَہُ اِلٰی (امتہ)	اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو وصیت
(صحیح بخاری باب خطبۃ پیام النبی،	مقتفی .

البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۱۹۲ بحوالہ

ترمذی حدیث من صحیح

بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں کچھ اور کلمات نقل کئے گئے ہیں۔

فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو او غی لما منہ

ممکن ہے حاضر العلم شخص اس شخص تک اس علم کو پہنچا دے جو زیادہ اس علم کو سمجھانے (اور حق ادا کرنے) والا ہو۔

(صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ربّ یبلغ اوعی من سامع)

اس مفہوم کی روایات ترمذی ج ۲ ص ۹۱ ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹ اور ابن ماجہ

ص ۱ وغیرہ میں بھی ہیں۔ گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ کم علم والے زیادہ علم و سمجھ والوں تک بھی دین کی بات پہنچانے میں شرم و دریغ نہ کریں۔ کہ دین کی سرسبزی و شادابی اسی تبلیغ پر موقوف ہے۔ اسی مناسبت سے ارشاد ہے۔

نضر اللہ اصراۃ سبع منّا اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب
شیئاً فبلغہ کما سفعہ رکھے جس نے ہم سے (دین کی)

کوئی بات سنی پھر اسی طرح اسے

دوسرے تک پہنچا دیا

جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۱

اس بات کے پہنچانے میں علم کثیر کی ضرورت نہیں، بلکہ ہدایت ہے۔

بلغوا عنی ولو آیت دوسروں تک پہنچاؤ خواہ مجھ سے

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۱ و ایک آیت ہی (تم تک) پہنچی

ترمذی ج ۲ ص ۹۱) ہو۔

آپ نے وفد عبد القیس کو فرمایا :-

احفظوا وَاخبروا به من جو بیایات تمہیں دی ہیں (انہیں یاد

ورائکم رکھو اور جو تمہارے پیچھے (تمہاری

صحیح مسلم ج ۱ ص ۳) قوم ہے) اسے اس کی خبر پہنچا دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں جھنڈا عنایت کرتے ہوئے فرمایا:-

ادعہم الی الاسلام و انہیں اسلام کی طرف بلاؤ (اور اگر

اخبارہم بما یحب علیہم اسلام قبول کر لیں) تو انہیں ان احکام

فواللہ لان یدہی بک کی خبر دے جو ان پر واجب ہیں، پس

واحد خیر لک من خسر اللہ کی قسم ہے کہ اگر تیری وجہ سے ایک

النعم شخص بھی ہدایت پا گیا تو تیرے لئے

صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۱۳ سرخ اوٹوں سے زیادہ بہتر ہے

حضرت ابن سعد الساعدی کو بھی اسی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹)

استقصا مقصود نہیں، کتاب و سنت کے وفاتر امت کے اس دعوتی

منصب اور اس کے متعلقہ فرائض کے احکام و فضائل سے گرانبار ہیں، ان تعلیمات

کا حاصل امام رازیؒ کے موجز الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے

کو نو امة دعاة الی الخیر ہو جاؤ تم ایک امت بھلائی کی

امیرین بالعرف فاحین عن دعوت دینے والی، نیکی کا حکم کرنے

السنکو کرنے والی، برائی سے روکنے والی

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹)

انہیں بیایات کا نتیجہ تھا، اگر صحابہ کرام رضی عنہم ہر شخص امت کی بعثت کا مقرور اس سے پیدا

صحابہ کا نمونہ

شدہ تقاضوں کا داعی تھا، ان کا اسودہ اور کارنامے امت کی دھوتی حیثیت کا ایک ناقابل انکار وہیں ثبوت ہیں۔ تاریخ و طبقات اور رجال کی کتابیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس دھوتی زندگی سے پر مشور ہیں۔ ان میں ہر فرد امت کی بعثت کا اعتراف و اعلان علی رؤس الاشہاد کرتا تھا۔

جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں، نعمان ابن مقرن نے بحلاہ ایران نیرور کے سامنے اور مغیرہ ابن شعبہ نے رستم کو مسلمانوں کے سفراء کی حیثیت سے امت کے منصبی مقام کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ اس دھوتی کی ہی دلیل ہے۔ ربیع ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ایرانی سپہ سالار رستم کو اس بارے میں جو کہا تھا آج بھی ہر مسلمان کے لئے مشورہ ہدایت ہے۔
فرمایا:-

اللہ (تبعثنا لنخرج من شاء	اللہ تعالیٰ نے ہیں مبعوث فرمایا ہے،
من عبادة العباد الى عبادة	تاکہ جے اللہ چاہے ہم اسے لوگوں
اللہ ومن ضيق الدنيا الى	کی بندگیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ
وسعتها ومن جور الاديان	کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے
الى عدل الاسلام	نکال کر اس کی فراخی میں اور
سلنا بدینه الى خلقه	باطل (مذہب کے ظلم سے نکال کر
لندعوهم اليه	اسلام کے عدل و انصاف میں داخل

کریں، پس اس نے ہیں اپنے
دین (کے پیغام) کے ساتھ بھیجا
جے تاکہ ہم انہیں اس کے دین کی
طرف بلائیں۔

(البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر
جلد سوم ص ۳۹)

ہر صحابیؓ داعی تھا

ہی احاسن تھا جس کی وجہ سے صحابہ رضہ کا ہر شخص

ایمان لاتے ہی داعی بن جاتا تھا، ابن اثیر الجزری رح

نے اُسد الغابہ میں کئی صحابہ رضہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ایمان لائے، اور پھر اپنے قبیلہ کو دین کی دعوت دی۔ (ودعا قومہ الی الاسلام)

اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۲۹، ۲۳۰

یچمدان سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا یہ خاصہ تھا

کہ جو بھی آپ کے دستِ پاک پر اسلام سے مشرف ہوتا تھا، انسان ہو یا جن ایمان

کے نور کے ساتھ دعوت کا داعیہ و جذبہ، اور اس کے لئے قربانی و ایثار جہد و جہد

کا غلبہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا تھا، صحابہ رضہ کے کارنامے اس

پر شاید ہیں، مثال کے لئے ابتداء اسلام میں صرف ابوبکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان و دعوت اور جہات کے ایک گروہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں

جو ایمان لاتے ہی سرایا دعوت تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی

دعوت دیتے ہوئے، فرمایا، میں اللہ کا

رسول ہوں، اور تجھے اللہ کی طرف

بلاتا ہوں، جب آپ کی بات ختم ہوئی

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے

آئے (ان کے اسلام لانے کے بعد)

ابوبکر رضہ کے پاس رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ اور مکہ کی

فقال رسول الله صلى الله عليه و

سلم انا رسول الله ادعوك الى

الله فلما فرغ من كلامه

اسلم ابوبكر فانطلق عنه

رسول الله صلى الله عليه وسلم

وما بين الاخشبيين احدا

كثيرا وسرا من باسلام

ابي بكر ومضى ابوبكر فراح

لعثمان بن عفان، وطلحة

بن عبید اللہ والزیبر بن
العوام وسعد بن ابی وقاص
فاسلموا ثم جاء الغدبعان
بن عطفون وابی عبیدۃ بن
الحبراح وعبد السرحل
بن عوف وابی سلمہ بن
عبد الاسد والارقم فا
سلموا رضی اللہ عنہم

(البدیۃ والنہایۃ ابن کثیر
جلد سوم صفحہ ۱۰۱)

ابن اسحاق اس سلسلے میں لکھتے ہیں :-

فلما اسلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ
عندہ واطهر اسلامہ دعا الی
اللہ عز وجل

(اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۱۰۱، البدیۃ والنہایۃ ص ۱۰۱)

ابن اثیر نے لکھا ہے :-

فجعل يدعو الی الاسلام من

و در پہاڑیوں کے درمیان آپ سے
زیادہ ابو بکرؓ کے ایمان پر کوئی شخص
خوش نہ تھا، ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بھی لوٹے اور عثمان بن عفان، طلحہ بن
عبیدہ اللہ، زبیر بن العوام، سعد
ابن ابی وقاص کے پاس گئے۔ (اور
انہیں اسلام کی دعوت دی) اور وہ سب
اسلام لے آئے، پھر دوسرے دن
عثمان ابن مظعون، ابو عبیدہ بن الجراح
اور عبد الرحمان بن عوف، ابی سلمہ
بن عبد الاسد اور الارقم کو نیکو
آئے انہیں اسلام کی دعوت دی
اور سب اسلام لے آئے
رضی اللہ تعالیٰ عنہم

یعنی جب ابو بکر اسلام لائے اور
اسلام کو ظاہر کیا، اللہ تعالیٰ
کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی۔

(یعنی جب ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو)

یغشاہ و مجلس الیہ

جو لوگ ان کے پاس آتے تھے اور
بیٹھے تھے، برابر انہیں اسلام کی دعوت

(اسد الغابہ جلد دوم ص ۳۶) دیتے تھے۔

چنانچہ اسی بنا پر آپ کے ہاتھ پر مشرعوں کے پانچ افراد کے علاوہ ایک پوری
جماعت اسلام سے مشرف ہوئی۔ (اسلم علی یدہ جماعۃ)
(اسد الغابہ تذکرہ عثمان)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشغلہ
ایمان لاتے ہی دعوت و تبلیغ بن گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
جنت کا ایک گروہ آیا، قرآن سنا اور ایمان لایا اور اپنی قوم کی طرف جب لوٹا، تو وہ
اسلام کا داعی تھا،

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَافِثًا مِّنَ الْحَيِّ
يُنْخَلَعُونَ الْقُرْآنَ جَ فَلَمَّا
حَضَرَهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا
قَضَىٰ وَلَوْ إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ
قَالُوا يَقَوْمُنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا
أُنْزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ
مُّسْتَقِيمٍ يَقَوْمُنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ
اللَّهِ وَآمِنُوا بِالْغَفْرِ لَكُمْ

ہم نے جب جنوں کی جماعت کے رخ
کو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف
پھیر دیا کہ وہ قرآن نہیں تو جب وہ آئے
تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا
چپ رہو، جب قرآن ختم ہو گیا، تو
وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں
خبردار کریں، انہوں نے جا کر کہا،
بھائیو! ہم نے ایک شریعت کا کتاب
کو سنا، جو موسیٰؑ کے بعد اتاری
گئی ہے اس کے پہلے جو کتاب

مِنْ ذُلِّكُمْ وَ يُجْرِكُمْ مِنْ
عَذَابِ الْيَمِّهِ

آئی ہے ، اس کی تصدیق کرتی
ہے ۔ اور سچائی اور سیدھی راہ بتاتی
ہے ۔ اسے جھٹکنا اور اخلہ کے پکارتے والے
کو قبول نہ کرنا ، اور اس پر ایمان لاؤ ،
تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے
اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے

(احقاف - ۲)

بہر حال مقصود یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جمعین جن ہوں یا انسان ، ایمان لاتے ہی دین
کے داعی اور مبلغ بن جاتے تھے ۔ وقت کی قلت مانع ہے ۔ ورنہ تفصیلاً بتایا جاتا ، کہ اسلام
کے ان ابتدائی پیروکار طالبان حق و داعیان اسلام کی جماعت نے جن کے مجاہدات اور
خون سے دین کا باغ برگ و بار لایا ، کس طرح اپنی جانوں پر سہہ کر ، آگ و خون ، مصائب
و آلام ، شدائد و بلا ، فقر و فاقہ ، ہجرت و فرار کے ذریعہ گداز مراحل میں سے گزر کر
ایمان و عمل صالح کا نمونہ اور دولت و تسلیغ کا اسودہ پیش کیا تھا ، ایک بات دانشگان
الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں ، کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے دست مبارک پر ایمان کا عہد و پیمان باندھا ، سابقین صحابہ رضی اللہ عنہم سے وہ
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، عثمان و حیدرہوں ، یاسیب و مالک ، عمار
و یاسر یا بعد کے آنے والوں میں عکرمہ و حارث ، سہیل و وحشیہوں (رضی اللہ عنہم) جمعین
سب کی زندگیوں کا خصوصی امتیاز بیعت ایمان سے لے کر لقاے رب تک ایمان و
عمل صالح کی کوشش کے ساتھ دولت و تسلیغ اقامت دین و علاء کلمۃ اللہ کی
مسئل و پیہم جہد و محنت ہے ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں شخصی اعمال اور اجتماعی
حقوق و فرائض کی ادائیگی اور داعیانہ کوششوں میں دوئی کہیں نظر نہیں آتی
ایمان لاتے ہیں ، ذاتی اصلاح و شخصی اعمال کی فکر و پابندی کے ساتھ دعوت کے

لئے تن من و حن کی بازی لگاتے ہیں۔ اور موت کے وقت تک احیاء و فروغ دین کے لئے
کوششوں اور قربانیوں میں کمی نہیں ہوتی :-

قرآن گواہی دیتا ہے :-

مِنْهُمْ مَنْ قُتِلَ خَبْرُهُ
وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ
وَمَا بَدَّلُوا آيَاتِهِ يَلًا

بعض ان میں سے وہ ہیں، جنہوں
نے پورا کر دیا۔ اپنا عہد (یعنی
جہاد میں جان دے دی) اور بعض وہ
ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں، اور انہوں
نے نہیں بدل ڈالا۔ کچھ بدل ڈالنا (یعنی

اپنے عہد و وفا کو نہیں بدلا)

بلکہ ان کی غیرت ایمانی اور اشاعت و فحائے حق کا والہانہ جذبہ دین میں ادنیٰ کوتاہی
کو برداشت نہیں کر سکتا تھا، اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو بے قرار ہو جاتے،
سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور فقرہ "ایقظ الدین
وانا حي" اور حضرت انس بن النضر کا قول در

"قوموا فموتوا على ما مات به النبي صلى الله عليه وسلم"

(زاد المعاد ابن قیم ص ۳۹)

اسی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ صحابہ رض کا کوئی طبقہ ہمیں معلوم نہیں جو اپنے علم و استعداد
کے بقدر دین کا حال و داعی نہ ہو۔ صحابہ رض کا یہی داعیانہ مزاج اور دین کی اشاعت
کے لئے والہانہ و سرفروشانہ جذبہ تھا، جس کی وجہ سے اسلام تیس سال کے
قلیل عرصے میں عالم کی سب سے بڑی روحانی و سیاسی طاقت بن گیا،
علامہ ابن کثیر نے تفسیر میں ایک موقع پر کیا خوب لکھا ہے۔

وقد كان للصحابه رضوان الله عليهم كاهلاد

عنهم في باب الشجاعة
 والانتداب امرهم الله و
 رسوله به و امتثال ما ارشد
 هم اليه مالم يكن لاحد من
 الامم والقرون قبلهم
 ولا يكون لاحد من بعدهم
 فانهم ببركة الرسول صلى
 الله عليه وسلم وطاعة
 بما امرهم فحقوا القلوب
 والاقاليم شمساً وغرباً في
 المدة اليسيرة مع قلة عدوهم
 بالنسبة الى جيوش سائر
 الاقاليم من الروم والفرس
 والترك والصقالية و
 البربر والجيوش واصناف
 السودان وقبط وطوائف
 بني آدم، فمر والجميع
 حتى غلبت كلمة الله
 وظهور دينه على سائر
 الاديان وامتدت الممالك
 الاسلامية في مشارق الارض

وشجاعت اور اللہ تعالیٰ و رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی
 فرمانبرداری اور ان کی ہدایات و پیروی
 و تعمیل میں وہ ادنیٰ مقام اور درجہ
 ہے جس تک اہم سابقہ اور قرون
 ماضیہ میں کسی کی رسائی نہ ہو سکی تھی۔
 اور نہ اس بلند ہی پر ان کے جیسے کوئی پہنچ
 سکا۔ چنانچہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور
 آپ کے احکام کی تابعداری کی وجہ
 سے تھوڑے سی مدت میں مشرق سے
 مغرب تک قلوب و ممالک کو فتح کیا،
 اور اسی قلیل مقدار کے باوجود، جو روم
 ، فارس ، ترک ، صقلیہ ، بربر حبش
 قبائل سوڈان و قبط اور مدیگر
 انسانی طبقات و ممالک کی فوجوں کے
 مقابل میں تھی۔ انہوں نے سب
 کو مغلوب کر لیا ، یہاں تک کہ
 اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو گیا ،
 اور اس کا دین تمام ادیان پر
 غالب آ گیا ، اور ممالک اسلامیہ

وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَلِيلٌ مِّنْ ثَلَاثِينَ
تیس سال سے بھی کم مدت میں
سُنَّةَ فَرُغَى (لِلّٰہِ عَنْہُمْ و
روئے زمین کے مشرق و مغرب
ارضاءہم) (جمعین)

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۳۱۶)
(رضی اللہ عنہم وارضاءہم (جمعین)
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اقامتِ دین، اشاعتِ اسلام، تبلیغ و جہاد
کے فرائض کو کمال انتہا تک، پورے فکر، کامل مستعدی اور بے
جگری سے ادا کر کے خیرِ الائمہ کی آئندہ نسلوں کے لئے نمونہ قائم کر دیا،
کہ یہ شاہد علی الناس، آخر الائمہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت
میں تاقیام قیامت، ہدایتِ خلق، تعلیمِ کتاب و حکمت، تربیتِ نفوس، تزکیہ
قلوب، اجرائے احکامِ الہی، نفاذِ شریعت، کے پیمبرانہ فرائض اس کی روشنی میں
ادا کر سکے تاکہ عالم میں عدل و انصاف کی خدائی میزان قائم ہو، اللہ تعالیٰ کی حجت
بندوں پر پوری ہو۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عمومی کا
مقصود پوری ہو۔

اِیۡسَا وَاَبٰی ہٰیءَ اے اے
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً
اور تم کو ایسی جماعت بنا دیا،
وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شٰہِدًا
جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال
عَلٰی النَّاسِ وَیَكُوْنُ
پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ
الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰہِدًا
رہو، اور رسول اللہ صلی اللہ
(البقرہ ۱۴۰) — علیہ وسلم تم پر گواہی دینے

والا ہو۔
گو یا یہ ملتِ عاقلہ اس عالم میں تقویمِ عالم کو اعتدال و انصاف کے اتنی

اصولوں پر چلانے کی اور عدل کے ربانی میزان کو برابر رکھنے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے۔
عالم آخرت میں بھی اس کی عادلانہ گواہی اُنہم سابقہ پر میزان عمل کے وقت فیصلہ کن ثابت
ہوگئی۔ کہ یہ خیر الامم، دین میں مراد آئی کے شیوع واجزائے دین ربانی کے پھیلنے کا
فریضہ ہو، اور عالم معاد میں خدائی انصاف کی تکمیل پر اس کی زبان عدل آفری
بہر ثبوت کرے۔

اسی مضمون کو سورہ حج کے آخر میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا

ہے :-

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ	اور اللہ تعالیٰ کے کام میں خوب
حَقَّ جِهَادٍ ۖ هُوَ اخْتَبَكُمْ	کوشش کیا کرو، جیسا کوشش
وَمَا يَجْعَلْ عَلَيْكُمْ فِي	کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو ادا
الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ	اتوں سے، ممتاز فرمایا، ادا اس
وَمَلَّةَ اَبْيَكُمُ اِبْرَاهِيمَ ۚ	نے تم پر دین (کے احکام) میں
هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ	کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم
قَبْلُ وَفِي هَذَا لَيَكُونَنَّ	اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام)
شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا	کی (اس) ملت پر عیشہ قائم رہو
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ	اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

(تمہارا قرآن سے) پہلے بھی اور
اس قرآن میں بھی تاکہ تم پر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں۔ اور
تم لوگوں کے اوپر گواہ ہو۔

(الحج)

امّت عزّت و قہود کی زندگی نہیں گذار سکتی

ظاہر ہے کہ ایک ایسی امت جو دنیا میں
اللہ تعالیٰ کی خلافت، انبیاء علیہم السلام
اور خاص کر اپنے بنی سیدنا حضرت محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جملہ انسانیت کی طرف بعثت کے جلیل نوازی گئی،
جو جو نسل انسانی کی قیامت تک نگران بنائی گئی ہو۔ جسے وجود ہی دنیا میں نظام
عدل کے قائم کرنے، احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور جملہ اقوام و ملی کے لئے خیر و
بھلائی کا نونہ، تقویٰ و ہدایت کا امام و پیشوا بننے کے لئے خیر و خیریت کا مرکز
مختص ہی دولت الٰہی الخیر، رہنمائی خلق، اشاعتِ احکام، اقامتِ دین، امورِ مسرور
و نہی عن المنکر جو جس کا ذمہ بنی آدم کے قلوب کا تصفیہ و تزکیہ، اخلاقِ عالیہ کی
حفاظت اور اکی زندگی کا عالم میں نکھارنا ہو، کس طرح غفلت و قہود، عزّت و
رہبانیت کی زندگی گزار سکتی ہے؟ اس منصب رفیع اور مقاصد و فرائض عظیمہ
کا تقاضہ اور لازمہ ہی دعوت و تبلیغ، جہد و جہاد، اور اقامتِ دین کے
متعلق جملہ امور کی کوشش ٹھہرتا ہے۔ وہ تخت پر ہو یا بوریا و فقر پر، ہر حال و
ہر حالت میں ہر مقام و ہر وقت وہ دائمی امت ہے، اور اشاعتِ حق و اقامتِ
دین کی کوشش میں مشغول و مصروف چنانچہ اس کا صحیفہ آسمانی دعوت و جہاد فی
اللہ کے نعروں سے پُر ہے۔

بقول علامہ ابن تیمیہؒ کے :-

والقہان مقصودہ بیان
الحق و دعوة العباد الیہ
قرآن کا مقصود حق کا بیان اور
اس کی طرف لوگوں کو دعوت
(کتاب الرد علی المنطقیین)

دینا ہے

(۴۶۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ سراپا ولایت اور (انہما بعثنی اللہ مبلغاً

(ترمذی جلد دوم ص ۱۶۸)

کا عملی بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صلحاے امت کا اسوہ اسی منصب جلیل کے بقا و قیام کی جدوجہد کا عالی شان منظر و مظہر ہے، اسلام کا دینی ذوق و کتب اور عملی رفتار اس عظیم ذمہ داری کے احکام و ہدایات سے روشن ہیں۔ اس بنا پر امیر المومنین و نبی عن النکر ولدت الی اللہ اور جہاد بالقرآن کا جہاد تمام و اجمیت اس امت میں رہی ہے۔ اس کی نظیر دوسری اقوام و مل میں مقصود ہے۔ قرآن کریم نے ولایت بالقرآن کو جہاد کبیر قرار دیا ہے۔۔

ارشاد ہے :-

فَلَا تَطْعَ الْكُفْرَيْنِ وَجَاهِدْ
حُمَہ جہاد اکبیراً
تو کافروں کا کہنا نہ مان، اور بند رہیہ
قرآن کے تو ان سے جہاد کر بڑا جہاد
(فرقان - ۵)

امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ حق نے اس پر قابل وید بحث کی ہے۔ اور اس جہاد باعظیم کو جہاد بالقس و جہاد بالمال دونوں سے افضل قرار دیا ہے اعلیٰ و کلمۃ اللہ کے لئے اس جہد و جہاد کے متعلق امام موصوف ارقام فرماتے ہیں :-

لیس بعد الايمان بالله

و رسولہ فوض اکد ولا

اولی بالایجاب من الجہاد

وذلك انه بالجہاد یکن

اظہار الاسلام واداء

القسط النفس وفي ترك الجہاد

لہ اور اس کا جواب یہ ہے۔

غلبة العدو و روس الدين
و ذهاب الاسلام

و اعلاء كلمة الله کی محنت) جہاد پر
ہی موقوف ہے اور اس (دینی محنت)
و جہاد کے ترک کا لازمی نتیجہ دشمن کا
غلبہ، دین کا مٹنا اور اسلام کا

(احکام القرآن جلد سوم ص ۲۸۱) رخصت ہو جانا ہے۔

یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہوگی کہ ایرانی جرنیل کے اس سوال کے جواب میں
کہ دین حق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور ماجادہ البنی صلی اللہ
علیہ وسلم کے اقرار کے بعد نبیو بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دعوت کی کوشش ہی کو اسلام
کا بنیادی کل قرار دیا تھا۔

ان کے الفاظ ہیں :-

واخراج العباد من عبادة
العباد الى عبادة الله

(شہادتیں اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اس
کے بعد) سب اچھا عمل لوگوں کو مخلوق
کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی
میں داخل کرنا ہے

البدایة والنهاية جلد ہفتم ص ۳۹
امام غسزالی رح نے کیا خوب لکھا ہے :-

فان الامر بالمعروف والنهي
عن المنكر هو القليب الاعظم
في الدين وهو الهيم الذي
يسبغ الله له النسيم اجبين
ولو طوي بساطه واهل علمه

امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا
محل اعظم ہے یہی وہ ہیم (اہم ترین
مقصد) ہے جس کے لئے تمام انبیاء
علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اگر اس
بساطہ الٹ جائے تو اس کے علم علی

وعمله اعطلت البتوة واضمحلت
 الديانة وعمت الفقرة ونشت
 الضلالة وشاعت الجهالة و
 استرى الفساد واتسع الخرق
 وخربت البلاد وهلك
 لبلاد ولم يشعروا بالهلاك
 الا يوم التناد
 سے غفلت برتن جائے تو نبوت ہی
 معطل و بے کار ہو جائے ، دین
 مضحل ہو جائے اور جہالت پھیل
 گرا ہی عام ہو جائے اور چالیت
 پھیل جائے ، فساد چھا جائے ،
 بربادی وسعت اختیار کرے ،
 ملک برباد اور مخلوق ہلاک ہو جائے
 اور اس تباہی کا احساس بھی اتنا سر

(احیاء المسلم جلد ۲ ص ۳۲)
 امت کی منصبی ذمہ داریوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو بھی دین کی نصرت
 کے ساتھ مشروط کر دیا ہے ۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین
 دلایا ہے ۔

ارشاد ہے :-
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن
 تَنصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ
 وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ
 اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے
 اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا ،
 اور جمادے گا تمہارے پاؤں ۔

(محمد - ۱)
 وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ
 إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ
 (الحج - ۶)
 اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے
 گا ، اس کی ، جو اس کے (دین کی)
 مدد کرے گا ، بے شک اللہ تعالیٰ نذیر

ہے ضرور والا ،

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غفلت برتے گی، تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) دعائیں مانگے گی، وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔
ارشاد نبویؐ ہے۔

صروا بالمعروف وانہوا عن المنکر قبل ان تدعوا اللہ فلا یتجیب لکم وقبل ان تستغفر وہ فلا یغفر لکم (کنز العمال جلد دوم ص ۴۶)
(بخاری احمد عن ابن عمرؓ)

نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔
پیشتر اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، اور وہ قبول نہ ہو اور پشتر اس کے کہ اس سے مغفرت مانگو اور تمہیں نہ بخشا جائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا :-
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ تم ضرور نیکی کا حکم کر دو گے اور برائی سے روک کر گے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جلد عذاب بھیجے گا۔ پھر تم دعا کر دو گے وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

(مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف بحوالہ الترمذی)

اس قسم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی یہی اہمیت ہے، جو مسلمانوں کو سلطنت و حکومت میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں رکھتی بلکہ مسلمانوں کو اگر تمکن فی الارض بخشا جاتا ہے، تو وہ شخصی و اجتماعی اولیٰ الامر الہیہ کو نافذ اور عام کرنے کے لئے ہی عطا ہوتا ہے،
قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

الْذِينَ إِذَا مَلَكَتْهُمْ
 الْآَافِاضُ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ
 آَوَّضُوا لِنُفُوسِهِمْ
 وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ . وَ
 بِاللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ
 (الحج - ۶)
 وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں
 ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز ،
 اور دین زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے
 کام کا اور منع کریں برائی سے اور
 اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے آخر
 ہر کام کا ،

غرض امت کی جان و موت الی اللہ . امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے ، امت
 میں جس قدر ان اعمال کی پابندی ہوگی . دنیوی و اخروی فوز و کامرانی سے سرفراز
 ہوگی . اور جس قدر ان اعمال میں کوتاہی واقع ہوگی . امت زوال و اضطلال میں
 مبتلا ہوگی . دین کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے . اور اللہ تعالیٰ کی نصرت
 پر قبول ہدایت کے لئے دروازے مفتوح ہوتے ہیں . اور افراد و اقوام دین میں داخل
 ہوتی ہیں

ارشاد الہی :-
 إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَ
 رَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي
 دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا
 (نصرۃ)
 جب خدائی مدد اور فتح آجائے
 اور تو لوگوں کو خدا کے دین میں جوق
 جوق آتا دیکھ لے ، تو اپنے رب کی تسبیح
 اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت

مانگ ، یہ شک وہ معان کرنے والا ہے :-

(ترجمہ ابن کثیر ۳ ص ۱۱)

سے یہ مستفاد ہوتا ہے جس کی مؤید بے شمار آیتیں اور احادیث

ہیں :-

امت کا خصوصی طرز تربیت

گفدہ چکا کہ یہ خیر الامم ایک دائمی امت ہے۔ جو تمام عالم کے انسانوں کی طرف جملہ انبیاء اور خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ہدایت اور دین بانی کی دھڑت و اشاعت کے لئے مبعوث کی گئی ہے۔ منصب نبوت و رسالت و خالص نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اس امت کو انبیاء علیہم السلام کے مثال ان فضائل و کمالات، خصائل و مزایا سے سرفراز کیا گیا۔ جو مختص بالنبوة نہیں (چنانچہ اس مشابہت کی روایات کثر الحال و غیرہ نے نقل کی ہیں دیکھو ۲۳۲، ۲۳۳) چنانچہ اس امت کو من حیث الامت صلاح شخصی، تربیت ذاتی و نفسی اور دھڑت خلقی و اصلاح بنی آدم کا وہ جامع دماغ نظام ہدایت و تربیت عطا فرمایا گی، جو انبیاء علیہم السلام کے طریق تربیت و دھڑت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو حضرت فردوجاہت کی صلاح و فلاح تربیت و ترقی کا بیک وقت کیل ہوتا ہے، حضرات انبیاء کا فریضہ منصبی و دھڑت و تبلیغ تھا۔ ان کی حیات اشاعت دین و ترویج احکام کی کوشش کا دوسرا نام ہے۔ اپنے فطائف زندگی کے ساتھ اپنے شخصی و نجی عبودیت و عبودیت دالے کے پابند رہتے تھے۔ گواہت کے لئے ان کے یہ اعمال بھی دین کے قابل اتباع احکام کا حکم رکھتے تھے۔ بہر حال ان کی ناسوتی زندگی میں ان کی ترقیات خصائص نبوت، و مہربات خاصہ کے علاوہ دھڑت اور دینی جہد و محنت کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں۔ اور دھڑت کے پہلو بہ پہلو ان کی شخصی زندگی کے فرائض کی تکمیل ہوتی تھی۔ اب جب کہ امت محمدیہ مرحومہ انبیاء علیہم السلام کی نائب بن کر آئی ہے۔ اسے بھی تربیت و اصلاح کا ایسا دستور

بجٹایا جس میں امت کے اجتماعی و انفرادی فرائض و اعمال میں دوئی و غیرت نہیں رہی بلکہ دونوں قسم کے احکام کو ام اور ایک دوسرے کے بیک وقت معین و مددگار ہیں یہ اس لئے ضروری تھا کہ امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل اور دعوت الی الخیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے افراد کی شخصی تربیت و اصلاح ، روحانی ترقی و معاشی ضروریات کا بھی سامان ہو سکے چنانچہ امت مبعوثہ کو وہ طریقہ حیات عطا فرمایا گیا ، جس میں وہ دعوت و تبلیغ کے فرائض منصبی کو ادا کرتے ہوئے اپنے شخصی و ذاتی اعمال میں مشغول ہو ، اور اجتماعی و انفرادی کسی حیثیت میں دعوت و تبلیغ کو ثانوی درجہ نہ دے ، اجتماعی حیثیت سے دعوت کی اولیت و مقصودیت آیت ”رَكُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ“ پر غور کرنے سے اور انفرادی

حیثیت سے آیت :-
 وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا لِّمَنْ دَعَا
 اِلَى اللّٰهِ وَعِلِّمٌ صَالِحًا وَقَالَ
 اَتَقْبِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ
 اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی
 ہے جس نے بلایا اللہ کی طرف
 اور کیا نیک کام اور کہا میں
 حکمران ہوں ، (حکم السجدہ)

پر تدبیر سے سمجھ میں آ سکتی ہے ۔ اس امت اور اس کے افراد کی تربیت و ترقیات کا میدان ذاتی اعمال کی اصلاح کے ساتھ دعوت کی راہ میں جہد و محنت کو قرار دیا گیا ، اور یہ امت کا امتیاز خاصہ ہے ۔ ورنہ ام سابقہ کے افراد کی محنتیں اپنی ذاتی نجات کی ہی کوشش پر عموماً موقوف ہوتی تھیں ، اور وہ اپنے ذاتی اعمال کے بجا آوری کے بقدر ترقیات پر فائز ہوتے تھے ، اخیر الامم (جو اقوام عالم کی طرف مبعوث ہے) کو پوری امت و انسانیت کی اصلاح و فلاح کا نصب العین و فکر عطا فرما کر پوری انسانیت کی نجات کے لئے سعی و محنت کرنے والا بنایا گیا ۔

۵ مسلمان نسیم در دل خمیدہ
چوں سیلاب از تپ یاران خمیدہ
۵ حضور ملت از خود در گزشتن
وگر بانگ انا الملت کشیدہ

اب اس امت کے افراد ذاتی اصلاح کی فکر و کوشش کے ساتھ جس قدر اخلاص و نہاج نبوی م کے مطابق دعوت الی اللہ اور دین کی اشاعت میں سرگرم ہوں گے، ان کے باطنی جواہر چمکیں گے، ملکات قدسیہ نکھریں گے، نصرت الہی اور فیوض نبویہ م سے مالا مال ہوں گے، اور ذاتی و ملی صلاح و اصلاح کی دو گونہ کوشش ان کے دینی و دنیوی درجات کو بلند کرے گی، غرض حکمت الہی نے امت مسلمہ کی تربیت و اصلاح کا وہ طریقہ متعین فرمایا، جو سب اس کے شخصی و اجتماعی، ذاتی و ملی مقاصد کے پورا ہونے اور فرد و جماعت دونوں کی اصلاح تام پر حاوی ہے،

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاُ بَعْضٍ
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالصَّلَاةَ وَآتَوْنَ الزَّكَاةَ
وَالطَّيِّبِينَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ
أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ایمان والے مرد اور ایمان والی
عورتیں ایک دوسرے کے مدد
گار ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے
ہیں، اور بری باتوں سے روکتے
ہیں، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں
اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور
اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں،
ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحم کرے

کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ غالب

حکمت والا ہے۔

(التوبہ — ۹)

یہاں امت کے فرضیہ منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مقدم بیان فرما کر اس کے اعمالِ شخصیہ نماز زکوٰۃ اور اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مومنین اپنی ملی ذمہ داری کو اپنی ذاتی اصلاح والے اعمال کے ساتھ برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کے فرائض منصبی سے غفلت ہو جائے۔ یا وہ اپنی ذاتی اصلاح میں کوتاہی برتنے لگیں، سورۃ العصر میں بھی انہیں لوگوں کو دائمی خسارہ و نقصان سے مامون قرار دیا ہے، جو ایمان و اعمالِ صالحہ (شخصی اعمال، اور تو اسی باحق و تو اسی بالصبر) اجتماعی اعمال کے جامع ہیں۔ اس بنا پر پوری امت پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض قرار دیا جیسا کہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔

امام رازیؒ و علامہ نجویؒ اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں،

ان الله اوجب الامر بالمعروف ونهى عن المنكر على كل الامة
ففي قوله تعالى كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (الآخِر) (تفسیر کبیر جلد سوم ص ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمام امت پر اپنے قول کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کے مطابق واجب قرار دیا ہے۔

(معالم التنزیل جلد اول ص ۳۳)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من رأى منكم منكراً فليغيره
تم میں سے جو شخص بڑی کو دیکھے، اسے

بیدہ فان لم یستطع فیلسافہ
 فان لم یستطع فقلبہ و
 ذلک اضعف الایمان
 (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵)
 (معالم نبوی ج ۱ ص ۳۳)
 ہاتھ سے بدے (دروک دے) اگر
 یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے منع
 کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے
 تو دل (کی بہت و توجہ سے) اسے بدینے
 اور دور کرنے کی کوشش کرے، اور یہ
 آخری بات ایمان کا ضعیف ترین درجہ

ہے۔
 احمد و مسلم کی اس قسم کی ایک اور روایت میں ہے۔

ومن جاهدہم بقلبہ فہو
 موئن ولیس وراؤ ذالک
 من الایمان جتہ جودل
 کثر الاعمال جلد دوم ص ۵
 بروایت ابن مسعود (م)
 جس نے ان برائی کرنے والوں
 سے سب سے آخری درجہ میں دل کی
 بہت و توجہ سے، جہاد و محنت کی
 (کر وہ برائی دور ہو جائے) تو وہ بھی
 مؤمن ہے اور اس کے بعد رائی کے
 دانے کے برابر بھی ایمان کا (وجود یا
 یاد رہے) نہیں

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث سے ائمہ کے ہر فرد پر اس کی طاقت کے مطابق
 امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وجوب ثابت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۹)

اسی طرح ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ اقتدار
 میں اثر میں ذمہ دار و مسئول ٹھہرایا کہ وہ اپنی پوری

شخصی مسئولیت

قوت و طاقت، اثر و رسوخ کے بقدر انہیں نہایت سے روکے گا۔ اور نیکی اور

اور احکام کی پابندی پر انہیں گامزن کرنے کی کوشش کرے گا، اور اپنی زیر نگرانی
اشیاء کی حفاظت و استعمال احکام الہی کے مطابق ہوگا۔
مشہور حدیث ہے :-

قال صلی اللہ علیہ وسلم
کلکم راعٍ ومسئولٌ عن
رعیتہ فالامیر الذی
علی الناس راعٍ علیہم
وہو مسئول عنہم والرجل
راعٍ علی اہل بیتہ وہو
مسئول عنہم والمرأۃ
راعیتہ علی بیت بعلہا
والعبد راعٍ علی مال سیدہ
وہو مسئول عنہ الا فکلکم
مسئول عن رعیتہ
(صحیح بخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ۳۲۱۱)

فرمایا، تم میں سے ہر شخص راعی
رکھو لا (یا نگہبان و ذمہ دار ہے) اور
اس سے اس کی رعایا کے متعلق
سوال ہوگا، (کہ اس نے کہاں
تک انہیں احکام الہی کے پابند
بنانے کی اور برائیوں سے روکنے
کی کوشش کی) اور مرد اپنے
اہل خانہ کا ذمہ دار ہے۔ اس
سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی
عورت اپنے خاوند اور اولاد کی
نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق
پوچھ ہوگی، اور غلام اپنے آقا
کے مال کا محافظ ہے اس سے اس
کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس

یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے (دائرہ نفوذ و عمل) میں ذمہ
دار ہے اور اس سے اپنی متعلقہ رعیت کے متعلق سوال ہوگا،

اس عمومی مسئولیت خاصہ کا یہ اصولی حضرت محمد رسول صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہی انسانیت کو بتایا، اور اپنی امت کا اسے امتیاز قرار دیا، اپنی

اپنی اہل و متعلقین اور ماتحتوں کی ذمہ داری اور اعمال کی نگرانی کے اس اصول کی تائید
قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور
اپنی اہل (و دوزخ کی) آگ سے بچاؤ
کہ انہیں نیکی کا پسند بناؤ اور برائی

سے روکو ۔ (التحریم - ۱)

مفسرین نے ”اہل“ میں اہل قربات اور مگر ماتحت طبقہ کو بھی شامل کیا ہے
گویا ہر مسلمان کو اپنے اپنے دائرہ میں خصوصی نگران و ذمہ دار مقرر کیا گیا ۔ کہ وہ برائی
کے مٹانے اور خیر و بھلائی کے پھیلانے کے لئے حکمت و شائستگی سے اپنے
پرہیز اختیار و قوت ، اقتدار و سرور کو اپنے حلقہ اثر اور ماتحتوں میں اتھال
کمرے گا ۔ اور عللاً انہیں نیک بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا ، اور
جہاں تک اس کا دائرہ اختیار و قوت وسیع ہوتا جائے گا ، وہ اپنی اسی کوشش
کو پھیلاتا چلیے گا ۔ یہاں تک کہ دنیا سے برائی کا نشان مٹ جائے

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے ،
اس مسئلہ کی خصوصیت خاصہ اور اپنے اپنے حلقہ کی نگرانی کے علاوہ امت کے ہر فرد پر
اس کے علم و استعداد اور استطاعت کے بقدر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری
ڈالی گئی ہے کہ وہ وہیں کو بقدر ضرورت جانے اور اس کا علم حاصل کرے
اور اسے دوسرے تک پہنچاتا رہے ، صحابہ رضی اللہ عنہم کا تبلیغ کا شغف اور
اپنے علم کو دوسرے تک پہنچانے کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آج ان کے
واقعات سن کر حیرت ہوتی ہے ۔

صحیح مسلم میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت مساذ رضی اللہ تعالیٰ

عنه، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کی عمومی اشاعت سے احتیاطاً منع فرمادیا تھا کہ لوگ اس کا مطلب غلط سمجھ کر عمل سے غافل نہ ہو جائیں (

”ما من عبد يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبداً ورسوله الا حترمه الله على النار“

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موت کے وقت کتمانِ مسلم کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۶)

اسی طرح حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کی حدیث کی اشاعت نہیں کی تھی، مرض الموت میں روتے تھے، کہ ایک حدیث کی اشاعت نہ ہو سکی، آخر مرنے سے پیشتر بیان کر دی،

(صحیح مسلم جلد اول ص ۶)

غرض تعلیق کی مسئولیت خصوصی، تبلیغ و دعوت، اداء امر بالمعروف و نہی عن المنکر اشاعتِ علم کو ہر کہ و مہ کے لئے لازم قرار دیا گیا، اداء امت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے تعلیم و تعلم، تبلیغ و دعوت، نصرت دین، ہجرت و نافر کے وہ احکام عطا فرمائے گئے جس پر اس امت اور اسلام کی سرسبز و شادابی کا دار ہے۔ (علامہ جصاص رضی اللہ عنہ نے احکام القرآن باب فرض انفیرو الجہاد میں ان مباحث پر قابل دید بحث کی ہے جس کی نقل کی گنجائش یہاں نہیں) قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی ان جملہ احکام و اعمال کے جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، اشارہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مکی زندگی میں عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انفرادی طور پر اپنے فریضہ منصبی کی ادائیگی میں مشغول تھے، اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب و آلام کو سہمہ

رہے تھے، ہجرت کے بعد صحابہ رضی الافرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے دین کے داعی
 و سپاہی، معلم و متعلم راہِ ہدایت کے رہنما و سپاہی تھے، ایک طرف ان کی جماعتیں بے طلبیوں
 میں دین کی طلب و شوق اور کفار میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہی تھیں تو دوسری طرف
 ان کے افراد و خود دین سیکھنے اور سیکھ کر دوسروں کو سکھانے میں مشغول تھے،
 یہاں تک کہ بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح مکہ کے بعد یہ حالت ہو گئی تھی،

أُمَّةٌ لَهَا فِتْحٌ بَادِرَةٌ فَتْحُ مَكَّةَ كَمَا أَنَّ عَرَبَ نَصْرَ الْإِسْلَامِ
 الْعَرَبُ بِالْإِسْلَامِ مَهْمٌ فَكَانَ كِي طَرَفِ نَهَائِ تِيزِي سَعْدِ قَدَمِ بَرْجَالِ
 كُلِّ قَبِيلَةٍ تَوَسَّلَ كَسِيرًا هَا بِرَقَبَةٍ أَيْ سَرْدَارِو كُو بَهِيحَتَا
 لِيَسْلُمُوا وَيَتَّبِعُوا وَيُجْعَلُوا مَتَا، كَرَاكَرَ الْإِسْلَامِ لَا تَيْسَ، اَدْعَلَمُ
 قَوْمَهُمْ فَيَدْعُوهُمْ إِلَى حَاصِلِ كَرَكِ لُؤْسِ، اَدْرِ بَعْرَانِ بِي
 الْإِسْلَامِ وَلِيَعْلَمُوهُمْ اِسْلَامِ كِي دَعْوَتِ دِي، اَدْرِ دِي تَعْلِيمِ
 (فتح ابادی ۵، ۱۵۲)

مسجد نبویؐ بلکہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ العلم والارشاد بن چکا تھا
 جس کا اسی معلم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تدویسوں کی جماعت کے ساتھ شب و روز دین
 کی دعوت و اشاعت، تعلیم و تعلم، تزکیہ و تذکیر میں مشغول تھا، مسجد نبویؐ ہر وقت تبلیغ
 و ارشاد کی مجلسوں، علم و ذکر کے حلقوں اور دین کی اشاعت کی سرگرمیوں، بیرونی
 و خود کی آمد، اور تبلیغی و خود کی خدمتی اور جہد و جہاد کے چروچوں سے آباد تھی
 غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتِ معجزہ کی تربیت میں ہمہ تن مصروف
 تھے، اور امت ان ذمہ داریوں کے سمجھنے والے کے لئے ہمہ وقت تیار تھی،
 چنانچہ خیر الامم کے اس پہلے طبقہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے اپنے شخصی فرائض کی ادائیگی
 کے ساتھ اپنے فرائض ملی کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ زمانہ انگشت بندن

اور انسانیت اُمّیۃ حیرت تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عالی شان احد بے نظیر کارنامہ پوری امت کے لئے نمونہ، دلیل اور روشنی کا مینار ہے۔

امت کے دو گروہ

غرض پوری امت کو دینی ذمہ داریوں سے گرا نبار کیا گیا، طہارت و تبلیغ کا مقصد وفکر اور پوری انسانیت کی اصلاح کا درد عطا فرمایا گیا، اور من حیث الامۃ نبوت کی نیابت کی ذمہ داری کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا، تاہم اسلام ایک فطری اور علی دین ہے، وہ خوش کن نظریہ نہیں، اس وجہ سے تقسیم کار کے اصول کے پیش نظر امت میں سے ایک جماعت کو خالص اور کلیتہً اسی کام کے لئے چن لیا گیا، جس کا کام اور مقصد اور مشغلہ زندگی ہی تسلیم و تعلم، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو گا۔ وہ دگر مشاغل دنیوی میں مصروف نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی زندگی نیابت نبوت اور پیغمبرانہ وظائف کی تبعاً بجا آوری کے لئے وقف ہوگی، وہ دین کے علوم میں مہارت تامہ، تفقہ اور بصیرت حاصل کرنے میں پوری محنت و مشقت و کوشش کریں گے، اور حصول علم کے بعد اس علم کو عام کرنے، اور دعوت حق میں ہمہ تن و ہمہ وقت وجہ اللہ مصروف ہوئیں گے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیتوں کا منشا و مقصد ہے۔

(دیکھیے بیضاوی جلد سوم ص ۳۲، ابن کثیر جلد اول ص ۳۲، بحر المحیط جلد سوم ص ۲۲)
(تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۷۶)

۱) علماء اور واعیان حق کا طبقہ

وَسَيَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
اور بہتر تم میں ایک ایسی جماعت جو خیر
ہی کی طرف بلائی رہا کرے، ایسی کا حکم

وَيَهْدُونَ عَنِ الضَّلَاسَةِ أَذِلَّةٍ لَهُمْ

کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے
یہی لوگ پورے کامیاب ہوں
گے

(آل عمران - ۱۱)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيُغْفَرُوا
ذُنُوبَهُمْ كَافَّةً فَلَوْلَا نُقِفَ مِنْ
كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ
لَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلَتُنذِرُوا
أَقْوَامَهُمْ إِذَا رَجَعُوا
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ
(التوبة - ۱۵)

اور مومنوں کو نہ چاہیے کہ سب کے
سب (تحصیلِ علم یا جہاد کے لئے) نکل
کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو، کہ ہر گروہ
میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہو، کہ اسے
تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں
اور تاکہ دُرسناویں اپنی قوم کو صوب
ان کے پاس آویں، تاکہ وہ قوم (

منیسات الہی اور جہل سے بچے) (اورد
احتیاط رکھے)

پچھلی آیت کے ذیل میں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

دلت الآية على انه يجب
ان يكون المقصود من
التفقه والتعلم دعوة
الحلق الى الحق وارشادهم
الى الدين والتقويم وصراط
المستقيم لان الآية تدل
على انه تعالى امرهم
بالتفقه في الدين لاجل انهم

آیت وجوب پر اس طرح دلالت
کرتی ہے، کہ تفقہ اور تعلم سے
مقصود مخلوق کی طرف بلانا ہو۔ اور
ان کی دین تویم اور سیدھی راہ کی
طرف رہنمائی کرتی ہو، کہ آیت کا
مدلول یہ ہے کہ اس لئے تم نے
تفقہ فی الدین کا حکم
اس لئے دیا ہے کہ جب

اذارجعوا الى قومهم
 انذروهم بالدين و
 اولئك يحذرون (جہل
 والمحصية ويرعون
 في قبول الدين فكل من
 تفقه وتعلم لهذا
 الغرض كان على النهج
 القويم والصلط المستقيم
 (تفسیر کبرج ۴ ص ۵۲)
 قاضی بیضاویؒ نے بھی اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔

(بیضاوی جلد دوم ص ۳۲)

یہ طبقہ علمائے امت، داعیان حق، اور مجاہدین فی اللہ کا ہے جو اصلاً
 انبیاء کے وارث ہیں، العلماء و ورثۃ الابیاء حدیث صحیح ہے۔
 علامہ ابن قیمؒ نے الوابل الصیب میں لکھا ہے۔
 علماء کا وہی طبقہ رسولوں کا حقیقی وارث اور انبیاء کا خلیفہ ہے جو دین کو
 علماً و عللاً سنبھالنے والا، اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت کو
 دینے والا ہے۔

(الوابل الصیب ص ۷۶)

ظاہر ہے، خاصانِ خدا کا یہ گروہ اپنی دینی خدمات و سرگرمیوں کی وجہ
 سے طلبِ معاش کے دھندوں میں سرگرداں نہیں ہو سکتا، وہ انبیاء و اصحاب
 صفہ رضی اللہ عنہم کی سنت کے مطابق تو کلاً علی اللہ بغیر کسی اشراف و سوال کے حسبہ اللہ عزوجل

دینی میں مصروف رہے گا، اور حقیقتاً اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے رزق کا سامان بہم پہنچائے گا، اور عالم اسباب میں ملت کے دیگر افراد کے ذمہ ان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی ہو گی، اصحاب صفہ کے تعلق آتا ہے :-

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْضِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنَاءَ مِنْ تَخَفٍ تَعْرِفُهُمْ لِسِيْمُهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْمَخَافَةَ (ابقرہ - ۳۷)

خیرات ان ناداروں کے واسطے ہے۔ جو بندہ کئے گئے ہیں، پنج راہ اللہ کے زمین میں پل نہیں سکتے جانتا ہے ان کو جاہل دولت مند ان کے سوال نہ کرنے سے پہچانتا ہے تو ان کو ان کے چہروں سے نہیں مانگتے توگوں سے پٹ کر

مفسرین نے لایَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ کی تفسیر میں تھرتح کی ہے کہ یہ اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) کا گروہ ہے، جو قرآن کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہتا تھا اور ہر جاد و سریر میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلا کرتا تھا (یعنی جہتوں فی کل سریتہ یبعثھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تجارت، طلب معاش اور کسب کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا تھا (لایستیعون للتجارة وطلبه المعاش والکسب)۔

علامہ ابن قیمؒ نے اصحاب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :-
 اصل الحصر المنع :- فَنَعُوْا اَنْفُسَهُمْ مِنْ تَعَصُّفِهَا فِي اشْغَالِ الدُّنْيَا - وَحَصْرِهَا عَلَىٰ يَدِهَا لِلَّهِ وَفِي سَبِيلِهِ
 یعنی الحصر کا اصل معنی روکنا ہے، یعنی ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو دنیاوی

لے تفسیر قاذن و محال التزئیل ج ۱ ص ۳۱۷ لے التفسیر القیم ص ۱۱۱

اشغال میں مصروف کرنے سے روک دیا ہے۔ اور اسے صرف اللہ اور
اس کے راستے (یعنی خدمات) دینی میں صرف کرنے کے لئے فاعل کر دیا

ہے،
مراویہ ہے کہ علماء کا طبقہ ہر دنیاوی شغل سے بے نیاز ہو کر ہر وقت تعلیم و تعلم
دعوت و ارشاد، تفریق تبلیغ اور دیگر خدمات دینی میں مصروف رہے۔ تاکہ پوری امت کی
طرف سے دینی ذمہ داری اور اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی کا حق پورا ہوتا رہے، گویا
عام اصطلاح میں فراغت کے ساتھ علم و دعوت کے لئے وقف ہو جانا فرض کفایہ ہے،
جو اگر امت کا ایک طبقہ اس طرح ادا کرتا رہے، کہ ضروریات دینی کا حق ادا ہوتا رہے تو
باقی امت ذمہ داری ادا گناہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔ ورنہ سب گناہگار ہوتے
ہیں، بھلا علماء اور داعین حق کا یہ گروہ اسلامی نظام دعوت و ہدایت کا مرکزی نکتہ
و محور ہے، یا یوں کہیے کہ امت کا دل و دماغ ہے۔ جو پوری امت کی شریاتوں میں
ہدایت کا فن پہنچاتا ہے۔ اور اسے علوم دینیہ سے بہرہ اندوز کرتا رہتا ہے۔ امت کے
عالمی تقاضوں کے بقدر، اس گروہ کا وجود ضروری ہے بقول شخصے،
بد کرداروں کو سنبھالنے کیلئے لاکھوں تو ہوں ۛ

تاکہ امت اجابت کی داخلی تربیت و اصلاح تزکیہ و تسلیم کا محققہ بند و ملت ہو سکے
اور امت دعوت میں تبلیغ اور اشاعت دین کی جملہ ممکنہ صورتیں بروئے کار آسکیں
یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اسلام میں علماء کا طبقہ کوئی موروثی اور نسلی
گروہ نہیں، بلکہ امت کا ہر فرد اپنی محنت و قربانی سے یہ مقام حاصل کر
سکتا ہے۔

عامۃ المسلمین کا طبقہ

خواص کے اس طبقہ کے علاوہ دوسرا طبقہ عامۃ المسلمین کا ہے، جو اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے کلیتہً دین کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ امت کی انتہائی اکثریت اس طبقہ میں ہوگی، جن کا اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہنا معاشی و دنیاوی تقاضوں کی بنا پر ضروری ہوگا، لیکن اسلام میں نری دنیا داری کا کوئی تصور نہیں، اس بنا پر اس طبقہ پر بھی فرض ہے کہ رضائے الہی کے حصول کیلئے اپنی اصلاح سے ایک لمحہ غافل نہ ہو، ذاتی و شخصی، دینی و معاشی تقاضوں کا ضروری علم و احکام اور طریقہ سنت کو سیکھنا اور معلوم کرنا رہے، کہ

طلب العلم فرض علیٰ (ضروری) علم کی طلب ہر مسلمان
مکلی مسلمین پر فرض ہے۔

دکنز الاحوال ص ۲۳۵ ج ۵

اپنے علم پر عمل کرے، اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے اپنے علم کے بقدر دین کی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔ اس بارے میں نفوس کثرت سے وارد ہیں، نمونہً کچھ اور پر گزر چکی ہیں۔ اسی طرح اپنی مسئولیت خاصہ اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال، تابعین، ماتحتوں کو منکرات سے روکے اور نیکیوں کی ہدایت کرے ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی فکر و کوشش اور ان کے معاملات و معاشرت کی درستگی کے لئے اثر و رسوخ، اقتدار و اختیار رکھتی بہت وقوت سے استعمال میں لائے، تاکہ اس کے دائرہ اثر میں نیکیاں پھیلیں اور برائیوں کا انسداد ہو، مزید برآں اللہ تعالیٰ کی رضا و نسیاء کی اتباع اپنے منصب علی کی ادائیگی اور اپنی اصلاح کی نیت سے قریب و بعید جیسے بھی حالات و ظروف اجازت دیتے ہوں

وفود کی شکل میں یا انفرادی طور پر مہیا چ نبوت کے مطابق دعوت کے لئے "غروج و فخر" نصرت
 دینی و عرضی کی پیرائے سنت کو پورا کرتا رہے۔ کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) انفرادی اور وفود کی
 شکل میں تبلیغ دین اور فروغِ ہدایت کے لئے نزدیک و دور باقاعدہ اور ہمیشہ نکلتے رہے
 ہیں۔ جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں، لیکن اس کے آداب و شرائط ہیں جو اہل علم اور دینیان
 حق سے علما و علماء معلوم ہو سکتے ہیں۔ دین کے علم اور دعوت کے اصول و مبادی تعلیم یا صحبت
 کے ذریعے سیکھے بغیر ہر دینی کوشش لغزش یا کاسب بن سکتی ہے۔ اس لئے ایسی
 کسی تحریک و کوشش سے پیشتر ایک مرتبہ چارہ چھ مہینہ تبلیغ و دعوت کے تجربہ
 کادروں اور خواص کے ساتھ گزار کر ان کی صحبت میں دعوت کی علما و علما مشتق کر لینی بہت
 ضروری ہے، تاکہ آئندہ اپنے علم و فہم کے مطابق صحیح رخ سے دین کی اپنی
 استعداد کے بقدر خدمت انجام دے سکے۔ عامۃ الناس کا یہ طبقہ دینی فرائض
 و اعمال، ملی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بری اور فارغ نہیں قرار دیا جاسکتا، پہلا
 طبقہ اصل ہے اور یہ طبقہ اس کے اعضا و ہواہر کی حیثیت سے اپنی استعداد کے بقدر
 ان کی رہنمائی میں شخصی اصلاح اور دینی خدمات، امر بالمعروف نہی عن المنکر، دعوت الی
 اللہ کے فرائض اپنی بساط کے مطابق انجام دیتا رہے گا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
 کا معمول تھا۔

پہلا طبقہ کلیتہً خدمتِ دین کے لئے فارغ ہوگا۔ اور یہ طبقہ اپنی معاشی
 اور کاروباری مصروفیات میں احکام شریعت کے مطابق مصروف رہتے ہوئے اپنے
 اپنے دائرہ میں اپنے علم و استعداد اور صلاحیت کے بقدر دعوت و اقامت و نصرت
 دین کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہے گا۔

علامہ ابن کثیر رحم نے ان دونوں طبقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
 "ولیکن منکد امۃ" کی تفسیر میں لکھا ہے۔

يقول الله تعالى منكم امة منتصية
 للقيام بامر الله تعالى في
 الدعوة الى الخير والامر با
 لمعروف والنهي عن المنكر و
 اولئك هم الفالحون، قال الفحاك
 هم خاصة الصحابة وخاصة
 الرواة يعني المجاهدين و
 العلماء والمقصود من هذا
 الاية ان تكون فوفية من
 هذه الامة متصدية لهذا
 الشان وان كان ذلك و
 جبا على كل فرد من الامة
 بحسبه .

(تفسير ابن كثير ج ٣ ص ٣٩٠)

دونوں طبقات کی دینی ذمہ داریاں

غرض علماء امت پر اصرار اور عامۃ المسلمین پر تبعاً علم دین کا حصول، اس پر عمل اور اس
 کی دعوت اپنے اپنے مقام پر اور علم کے مطابق لازم ہے۔ ہم نے امت کے ان دو طبقات
 کے متعلق جو عرض کیا، امام غزالیؒ کی ایک تحریر سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی
 اعلم ان کل قاعدا فی بیتہ اینا
 کان فلیس خالیاً فی هذا الزمان
 یہ بات سمجھ لو کہ اس زمانے میں جو شخص
 جہاں بھی گھر بیٹھا ہوا ہے، لوگوں کو ارشاد

عن منكر من حيث التعاقد
عن اشد الناس وتعليمهم
على المعروف فاكثر الناس جاهلون
بالشرع في شروعا الصلوة
في ابداء فكيف في اشراف
والجودى ومنهم الاعراب
والاكباد والتركمانيه
وسائر اصناف اخلق وحب
ان يكون في كل مسجد
وحلة من ابلد فقيه لعلم
الناس دينهم وكذا في كل
قرية وواجب على كل فقيه فرع
من فرض عينه وتقرع
لفرض الكفاية ان يخرج الى
من يحاور بلده من اهل
السواد ويلهم وفرائض
شرعهم

اما العالم فلتقصير في
الخروج واما الجاهل فلتقصير
في ترك التعلّم وكل عامي من
شروط الصلوة فليد ان يعرف

و تعلیم اور نیکی پر آمادہ کرنے سے قاصر
رہنے کی بنا پر گناہگار ہے، حالت یہ
ہے کہ اکثر لوگ شہروں تک ناز کی شرعی
شرائط سے جاہل ہیں پس اسی سے
اندازہ لگائیے کہ دیہات اور صحرائوں اور
بدوی، کرو، ترک، ن، اور دیگر انسانی
طبقات کا کیا حال ہوگا، شہر کی مسجد
و محلہ میں ایک فقیہ (یا عالم) کا ہونا
واجب ہے جو لوگوں کو دین کی تعلیم
دیتا رہے۔ اسی طرح ہر گاؤں میں
بھی ایک عالم کا ہونا واجب ہے اور
جو عالم بھی اپنے فرض عین سے فارغ
اور فرض کفایہ کے لئے فرصت رکھتا
ہو اس پر واجب ہے، کہ اپنے شہر
کے اس پاس کے بستیوں میں جا جا کر
لوگوں کو دین کی باتوں اور شریعت کے
فرائض کی تعلیم دیتا رہے۔ اس
بارے میں عالم کا قصور (اثر و
تعلیم) کے لئے نہ نکلتا ہے اور
عامی کا قصور علم نہ حاصل کرنا ہے اور
وہ عامی جو نازیکی شرائط کو جانتا ہو اور

غیرہ والا فهو شریک فی
 الاثم ومعلوم ان الانسان
 لا یولد عالم عالم بالشرع
 وانما التبلیغ علی اهل العلم
 فکل من تعلم مسئلة
 واحدة فهو من اهل العلم
 بهما ولعمری الاثم علی
 الفقهاء اشد لان قد تم
 فیہ اظهر وهو بضاعتهم
 البق لان المتحرفین لو
 ترکوا حروفهم لبطلت
 المعاش فہم قد تقلدوا امر
 الابد منه فی صلاح الخلق
 وشارات الفقیہ وحرفہ
 تبلیغ ما بلغہ عن رسول
 (لہ صلی اللہ علیہ وسلم)
 فان العلماء ہم ورفۃ الانبیاء

احیاء العلوم جلد ۲ ص ۲۲۶، ۲۲۷

لازم ہے کہ وہ دوسرے کہتا ہے
 ورنہ وہ بھی گناہ میں شریک ہو گا
 اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان شریعت
 کا عالم پیدا نہیں ہوتا ہے اور تبلیغ
 اہل علم پر واجب ہے۔ اور میں نے
 ایک مسئلہ بھی سیکھا ہے، وہ اس مسئلہ
 کا عالم ہے اور فقہاء (علماء) عدم تبلیغ
 پر بہت زیادہ گناہگار ہوتے ہیں۔ کیونکہ
 وہ اس کام کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔
 اور اسے بہت اچھی طرح انجام دے
 سکتے ہیں دوسرے کا روبرو لوگ
 اگر بالکل اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ
 کر اس میں لگ جائیں تو معاشی (تربوی)
 پھیل جائے جو انہوں نے اپنی ذمہ
 داری ہے اور وہ مخلوق کی معاشی دینی
 کے لئے ناگزیر ہے (اس کے برعکس)
 عالم یا فقیہ کی تو خاص شان اور
 پیشہ ہی یہی ہے کہ جو کچھ اسے دیکھ
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا ہے
 اسے دوسروں تک پہنچا رہے ہیں کہ
 (یہی وہ کام ہے) جس کی وجہ سے

ولا یسقط الحرج ما دام یبقی
 علی وجہ الارض جاہل بفرض
 من فرض دینہ و هو قادر
 علی ان یسعی الیہ بنفسہ لولئذ
 فیعلم فرضہ
 ولا یقدم علی هذا الارض
 عین او فرض کفایۃ ہوا
 ہم منہ
 (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۳۳۶، ۳۳۷)

علماء و انبیاء کے وارث ہیں۔
 اور جب تک روئے زمین پر ایک انسان
 سبھی کی دینی فرض سے جاہل رہے گا۔
 اور عالم کو قدرت ہوگی کہ خود چاکریا
 و مدرسوں کے ذریعہ اس کو متبائے تب تک
 وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ قرار
 پائے گا۔ اس کام کی ذمہ داری سے تب
 ہی سبکدوش ہو سکتی ہے جب اس
 کام سے بڑھ کر کسی فرض عین یا اہم
 واقعہ فرائض کفایہ میں مشغول ہو۔

موجودہ دور میں ہر وظیفات کیا کر سکتے

ہیں

آج بھی ان دونوں طبقات کی ہمت و جرات، اور محنت و کوشش دین کی
 نشاۃ ثانیہ کا سبب بن سکتی ہے۔

۱۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت عالم اسلام میں علماء و دانش کی اتنی تعداد موجود ہے
 کہ گروہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہونے کے لحاظ سے صرف طالبین ہی کو علم و
 مسائل سے آگاہ نہ کریں۔ بلکہ بے طلبوں، نادانوں، اور بے دین طبقہ میں بھی طرز
 نبوت کے مطابق دعوت و تبلیغ کے فرائض ترتیب و تنظیم، حکمت و شفقت، درد
 و فکر سے انجام دیں۔ تو پورے عالم میں روحانی انقلاب کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔

اس کے لئے بے مزد و جنتہ اللہ لا اسلکم علیہ اجر ان اجرہ الا علی اللہ کے اجماعی نبویؐ جذبہ کے ساتھ دین کے داعیانہ جذبہ اور مبلغانہ عزم و ہمت بحمد اللہ آج معلمانہ اور مشیخت کار خ تو باقی ہے لیکن داعیانہ اور مبلغانہ عزم و ہمت شاذ ہے ضرورت ہے کہ ہمارے مدرس اور خالقائیں، طلباء میں تعلیم و تربیت کے ساتھ دعوتی و ملیہ کے احیاء کی بھی کوشش کریں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ علم کا مقصد اپنے عمل کے علاوہ تبلیغ و ارشاد ہے۔ اس کے لئے طلباء کی ذہنی تربیت اور انبیا علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور داعیانِ حق کے دعوتی کارناموں اور مبلغانہ زندگی کا بغور مطالعہ ضروری ہو گا۔

مزید برآں انبیا علیہم السلام کے اصولِ دعوت و طرزِ تبلیغ و ارشاد کا علم و عمل لازم ہو گا۔ ضرورت ہے کہ شروع ہی سے طلبہ میں جہد و مشققت اور دعوت کے عملی پہلو کو زندہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انفرادی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے اور دو نبویؐ اور عصر صحابہ ربہ کی طرح جماعتیں بنانا اگر کرد و نواح میں دعوت و تبلیغ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں بھیجی جائیں کہ نبوی دعوت کا ایک اہم اصول عرض و فرضا، بے طلبیوں اور نادانوں میں جب یہ طبقہ دین کی بات پہنچائے گا تو اس کے یقیناً دو فائدے مرتب ہوں گے۔ ایک تو ان کی اپنی دعوتی مشق ہو گی، وہ عوام کے مسائل ان کے دینی تقاضوں سے واقف اور تبلیغ کے عملی پہلو سے آگاہ ہوں گے۔ دوسری طرف عامۃ الناس میں دینی شعور بیدار ہو گا، علماء و طلبہ کا رابطہ قائم ہو گا۔ اور اسلامی تقاضوں سے آشنا ہو کر دینی زندگی کے گزارنے والے بنیں گے۔ غالباً یہ کہنا بے محل نہ ہو گا، کہ طلبہ انبیا علیہم السلام کا طرزِ دعوت یہی ارشاد و اعطاف کا طریقہ اور سب طلبہوں میں جا کر دین کی بات پہنچانا تھا، اس سنت کی ادائیگی سے نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہدایت

سے ہکنا نہ ہو جائیں گے۔ یہ بات ضروری ہے کہ عمومی دعوت میں مختلف فیہ اور نزاری مسائل کو نہ چھڑا جائے۔ بلکہ مستفق علیہ بالوں اور بنیادی اصول پر اکتفا کیا جائے۔ اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہ دیا جائے۔ ایسا علیہم السلام کے اصولی دعوت کا تتبع و اتباع ہر قدم پر ضروری ہے۔

۲ عامۃ الناس کے پڑھے لکھے اور ان پڑھے طبقہ کو دین سے آشنا کرنے کے لئے ایک اہم تقاضا مسجد کے مرکزی و تربیتی نظام کا احیاء ہے عصر سعادت میں مسجد ہی ہمارا اجتماعی و دینی مرکز تھا۔ جہاں علم و ذکر کے حلقے، دعوت و تبلیغ کی مجالس و عبادت و عبودیت کی فضائیں امت کی ذہنی و فکری، علمی و عملی تربیت کی کینل ہوتی تھیں، ہر مسجد بیک وقت مدرسہ بھی تھی، خانقاہ بھی تھی۔ دارالترغیب بھی تھی، دارالدعوة بھی تھی۔ ضرورت سے کمر مسجدوں میں ہمارا اہل فکر طبقہ تسلیم و تدبیر سے، دعوت و تبلیغ کا نظم کرے، بھجانے والے ہیں۔ وہ ناواقفوں کو سکھائیں، جو ناواقف ہیں، وہ اہل علم سے استفادہ کریں، جو مسجد میں نہیں آتے انہیں ترغیب و تشویش سے مساجد میں لایا جائے۔ دین کی اہمیت عبادت کا وزن، اعمال کی قیمت، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات، کی صفائی معاشرت کی درستگی بتائی جائے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی تقاضوں، دعوت و تبلیغ اور امت کے فریضہ منصبی کی ادائیگی کے لئے ایثار و قربانی معاشرہ کی اصلاح اور امت کی نلاح کے لئے متفکر کیا جائے۔ ہر مسجد اپنے محلہ اور پھر قرب و لنواح کے علاقے میں دعوت و تبلیغ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہی ہو۔

غرض مسلمان بننے اور بنانے کے جو شرعی حکیمانہ و معقول طریقے ہوں ان کے سمجھنے سمجھانے اور عام کرنے اور اسے وظیفہ زندگی بنانے کے لئے

پذری سہی کی جائے تاکہ امت پھر سے اپنے کو پہچانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و
وسلم کے اعمال و دعوت کو اپنا کر حیات تازہ سے سر فراز ہو۔

کیا قیامت ہے کہ وہ داعی امت جو اس قدر عظیم ذمہ داریوں سے گراں بار ہے
اپنے مقصد کو بھلا کر اپنے فرائض منصبی و وظائف ملی سے غافل ہو کر دنیا کے سفلی
تقاضوں میں ایسی الجھی کہ داعی کے بجائے مدعو اور اہم و متبوع سے تابع
اور مقتدی بن کر رہ گئی۔

روہی ہے آج ٹوٹی ہوئی مینا سے
کل تک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب

موجودہ دور میں ملت اسلامیہ پورے عالم میں جس دینی انحطاط و اضمحال
کا شکار ہے۔ اس کی مثال پوری تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی۔
متابع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر و کافرانہ غمخیز ہے ساقی !

امت جب زندہ تھی، اور اپنے فرائض منصبی و دعوت الی اللہ، امر بالمعروف
نہی عن المنکر اور ہدایت رسانی خلق کی ادائیگی میں مصروف و مشغول تھی۔ مگر اقوام مل
اسلام کی حقانیت اور داعیان حق کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر حقوق درجہ اولیٰ اور
گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں، اور یہ بدخلون و بدین
۱۔ افواج کا منظر پیش کرتی تھیں۔ ان کا تازہ خون امت کی رگوں
میں دوڑتا تھا۔ اور یہ لافانی اور جاودانی امت حیات تازہ پانی تھی بارگاہ سیاسی
فائزین کو امت کے داعیانہ مزاج اور تبلیغی جہد و ہمت اور روحانی تصرفات

و مزایا نے مفتوح اور دین کا خادم بنا دیا، جس کی سب سے نمایاں اور مشہور مثال
 تاتاری و منگول ہیں، جو دہل اسلامیہ اور خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا
 دینے کے کچھ عرصہ بعد اسلام کے داعیانہ اثر سے مسلمان ہوتے ہیں۔ اور ترکان عثمانی اور
 ترکان تیموری کے نام سے پانچ سو سال تک اسلام اور مسلمانوں کا پرچم بلند
 رکھتے ہیں۔

جب سے امت کا دعوتی اور ملی شیرازہ بکھرا، اور امت اپنے مقصد اور
 اس سے پیدا شدہ تقاضوں اور مسائل کو بھلا بیٹھی۔ اور اپنے آپ کو دنیا کی عام اقوام
 کی طرح ایک قوم سمجھنے لگی۔ اس کے شاہوں اور حکمرانوں نے تاج و باج و
 خراج کو مقصود گردانا، علما و مشائخ نے عزت و شہرت اور مخصوص حلقوں میں تسلیم اور
 طالبین کی اصلاح پر اکتفا کر لی۔ عام امت نے غفلت و قعود کو شعار بنالیا،
 امت بانجھ ہو گئی۔ اقوام کا داخلہ اسلام میں سن حیرت الہامیہ بند ہو گیا۔ بلکہ پوری
 امت پر مردی چھا گئی، مسلمان بے یقینی، عقائد میں تسزلزل اور کردار و اعمال کی خرابی
 کا شکار ہو گئے۔ کرامت کا نفس ناطقہ، اس کا ایمانی شعور، اس کا دینی ذمہ داری کا
 احساس اور اس کا داعیانہ خاصہ تھا جس کی پڑمردگی نے اس باغ کو مر جھا کر
 رکھ دیا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کادواں کے دل سے احساس نیاں جاتا رہا

اے اسیدہ اش بے سوز و جانش بے خروش

اوسر اقل ارب و صمد او خموش

امت کی اس غفلت و کوتاہی اور فرض ناشناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم

اسلامی قیادت و امامت الہی رہنمائی اور نبوی تعلیمات سے محروم ہو گیا، اور انسان کی

عقل و ذہنی، روحانی و مادی قیادت، خدا آشنا، آخرت فراموش روح ناشناس،
بے یقین، مردہ دل، دنیا طلب، مادہ پرست مغربی اقوام کے ہاتھ آگئی۔

ع
ہم تو خیر صحت ہوئے اور میں نے سنبھالی دنیا
اور پورا عالم دینی ہدایات و برکات کے نور و انوار سے خالی اور مادیت اور خدا فراموشی کی ظلمت
سے شرب تاریک بن کر رہ گیا۔

امت کا سب سے اہم و اقدم مسئلہ

اس وقت امت کے لئے سب سے اقدم و اہم مسئلہ اس کے دینی شعور
و احیاء مزارع تبلیغی حاسہ، ایمانی جہت و غیرت، اسلامی فکر اور مینیات حقہ پر یقین
کے احیاء کا ہے۔ تاکہ پھر سے مسلمانوں میں امت مسبوۃ کی حیثیت سے اپنے فرائض
منصبی اور مفوضہ وظائف کی ادائیگی کا راعیہ و تقاضا زندہ و بیدار ہو اور صحابہ رحمہ کی
طرح امت ایمان و یقین، اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر نیا بت نبوت اور
ہدایت رسانی خلق کی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اگر امت دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و
نہی عن المنکر کے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو اس کی بہشت کا
مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی امتیازی حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

ایرالمینین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس بارے میں قول فیصل ہے۔ آپ نے
چند دفعہ دعا ۱۰ کو حج کے موقع پر دیکھا۔ آپ نے آیت کنتم خبیرو
أُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ پڑھی اور ارشاد فرمایا

ہیں سب سے ان کیوں من ہذا

یہی جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس غیر لازم میں

الامۃ فلیتود شرط اللہ فیہا

ہے ہرگز اسے اس کی شرائط کو پورا کرنا چاہیے

یعنی اسے اسر بالمعروف نہی عن المنکر وایمان باللہ کی صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ خود کیجیے
جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو کہا جاتا ہے۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک ۱ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اتارا ہے
من ربلک وان لم تفعل فما رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو
بلغت رسالتہ نے کچھ نہ پہنچایا، اس کا پیغام

(رسالت)

(امامت)

گویا تبلیغ و رسالت، کو معروف قرار دیا، اگر امت محمدیہ اپنے فرض منصبی
کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی، تو یقیناً اس غفلت پر اپنی خاص حیثیت کھو دے گی اور نصرت
الہی، سرفرازی و فلاح کے ان وعدوں سے محروم ہو جائے گی، جو اس منصب کی وجہ سے
اس کے ساتھ کئے گئے تھے۔

آج امت کے نظریہ اساسی میں جو عموماً بگاڑا گیا ہے۔ اور اپنے مقصد
حیات کو بھول چکی ہے۔ اس کی احیاء کے لئے پھر سے امت کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے طریقہ دعوت و تربیت اور نظام اصلاح و فلاح کو اپنانا ہوگا جس کے کچھ اجمالی اشارہ
گزر چکے ہیں۔ کہ مزاج و طریقہ نبوت قوام ملت ہے۔ کتاب اللہ نہ صرف کتب ہدایت
بلکہ صحیفہ نظام ہدایت اور طریقہ دعوت بھی ہے۔ قرآن نہ صرف دعوت ہے، بلکہ طرز
دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اس طرح اسوہ نبویہ نہ صرف امت کے لئے نمونہ ہدایت ہر
بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تاقیام اساعۃ ہدایت رسالت کا افضل و اکمل آئین و
اعلیٰ اور نوتر ترین طریقہ ہے۔ امت آج جس بے یقینی، غفلت غلطیوں کا اور بے عملی
بلکہ بد عملی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کا علاج اپنی اصلاح کے ساتھ دعوت و تبلیغ احیاء
دین کے لئے جدوجہاد، محنت و کوشش، ایثار و قربانی کے وہی عزائم و اعمال
میں جن کا نقش حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام رضی

اللہ عظیم نے ابتداء میں عالم پر مقرر کیا ہے۔
 وہی دیرینہ بیماری وہی ناخوشی کی دلیل
 علاج اس کا وہی آبِ نشاطِ انگیز ہے ساقی
 امت اگر زندگی چاہتی ہے۔ تواسے پھر سے اسی دایمانہ جذبہ کو ہر قربانی کے باوجود
 زندہ کرنا ہوگا، حالاتِ حاضرہ پر قناعت موت ہے۔
 تاکجا بغیرت دین زبیتن

اے مسلمان مروں است این زبیتن
 اسکے ہی نازی بہ قرآن عظیم
 تاکجا دوجوئی باشی مقسیم
 درجہاں اسرار دین را فاش کن

نکتہ شرع مبین را فاش کن
 امت کا سوادِ اعظم، جہالت، غفلت، دینی تعلیم سے محرومی، دینی تعلیم
 یا دیگر عوامل کی بنا پر دین سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور جس طرح امت اپنی ممانعت
 و تمدنِ تہذیب و شائے سے دور ہوتی جا رہی ہے، اور جس طرح اسلامی اخلاق
 و معاملات مٹ رہے ہیں۔ عبادت تک میں بے اعتنائی عام ہو چکی ہے۔ اہمیت
 عقائد تک میں تنزل آگیا ہے۔ اور جس طرح دنیا طلبی دین سے بے رغبتی،
 الحاد و دہریت غفلت و بد عمل امت پر اپنا سایہ ڈالتی چلی جاتی ہے۔ اگر
 امت پر اپنا کمال چلک دستی، سبک رفتگی، بلند ہمتی، غرورِ کبر سے
 اپنی جملہ استعدادوں، توانائیوں، ظاہری و باطنی مادی و روحانی قوتوں کو حفاظت
 دین اسلام کلمۃ اللہ اور دعوتِ تبلیغ، افراد امت کی شخصی و اجتماعی اصلاح
 کی طرف مرکوز نہ کیا تو خاکِ بدین اندیشہ ہے، کہ العیاذ باللہ

اسلام کی نام لیا موجودہ امت مٹا کر نہ رکھ دی جائے اور یہ امانت
دوسروں کے سپرد کر دی جائے
(اللہم احفظنا)

